نُصرَۃ میگزین

مارچ / اپریل 2021 رجب / شعبان / رمضان 1442 ہجری
شمارہ 59

ریاستی اختیارات کی تقسیم اور احتساب

ایغور جبری مشقت کی روک تھام کا ایکٹ

معاشی بدحالی ہمارا مقدر اس لیے ہے کہ پوری سیاسی اشرافیہ استعماری جمہوریت کے ذریعے حکمرانی کرتی ہے

خلافت کے خاتمے کے 100 سال ہونے پر۔۔۔
اے مسلمانو! اسے قائم کرو

فہرست

خلافت کے بغیر کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے 3

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(213-214) 5

خلافت کا قیام ایک فرض ہے جس کے لیے ہم اللہ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ خلافت کے انہدام کے سو سال پورے ہونے پر...

اے مسلمانو! اس کے قیام کی طرف لپکو 10

رسول اللہ ﷺ کا عمل مستقل ہوا کرتا تھا 16

سونے اور چاندی پر مبنی کرنسی (حصہ اوّل) 21

ریاستی اختیارات کی تقسیم اور احتساب 32

الغور جبری مشقت کی روک تھام کا ایکٹ: چھاج تو بولے سو بولے چھلنی بھی بولے جس میں سو سو چھید 41

افراط زر، اس کی حقیقت اور اسلامی تناظر سے اس کا حل 47

معاشی بدحالی ہمارا مقدر اس لیے ہے کہ پوری سیاسی اشرافیہ استعماری جمہوریت کے ذریعے حکمرانی کرتی ہے اب وقت اسلامی خلافت کے قیام کا ہے 58

مسٹر میکرون! مسلمان اسلام کیخلاف تمہاری سیکولر تہذیبی جنگ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں! 63

سوال وجواب: زکوٰۃ اور کاغذی نوٹ 71

سوال وجواب: ایرانی ایٹمی سائنس دان فخری زادہ کا قتل 82

سوال وجواب: ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں قرآن کریم کا جمع کیا جانا 89

پریس ریلیز: جنوری 2018ء کو نوید بٹ کو پیش کرنے کا حکم جاری ہوا تھا لیکن 11 مئی 2012ء کو جبری گمشدگی کے بعد سے اُن کا کوئی اَتہ پتہ معلوم نہیں 96

خلافت کے بغیر کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے

عمران خان کی حکومت کے خلاف غم و غصہ اور اس کی مخالفت اب معاشرے کے طول و عرض میں پھیل چکی ہے، یہاں تک کہ وہ لوگ بھی عمران حکومت کی مخالفت کر رہے ہیں جو پہلے اس کے حمایتی تھے اور اس سے کافی امیدیں رکھتے تھے، مگر اب وہ بھی اس سے مایوس ہو گئے ہیں۔ لوگ عمران خان حکومت کو اس وجہ سے مسترد نہیں کر رہے کہ اپوزیشن پر ان کا اعتماد بڑھ گیا ہے بلکہ یہ عمران خان کی اپنی بدترین کارکردگی کی بنا پر ہے۔ حکومت کی ناکامی صرف اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ نااہل ہے بلکہ اس کی ناکامی کی وجہ اپنے استعماری سرپرستوں کے مطالبات کو پورا کرنا ہے۔ استعماری اداروں، قوانین اور نظاموں کے ساتھ ڈھٹائی کے ساتھ چمٹے رہنے کا فیصلہ کر کے عمران خان نے پاکستان کی خوشحالی اور تحفظ دونوں کو ہی خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔

جہاں تک سیکیورٹی کا معاملہ ہے تو مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جا رہا ہے جیسے ان کے متعلق یہ موقف کبھی تھا ہی نہیں کہ وہ پاکستان کا حصہ ہیں، کجا یہ کہ اس امر کو باور کیا جائے کہ کشمیر کے مسلمان اسلامی بھائی چارے کے نہ ٹوٹنے والے بندھن سے پاکستان سے جڑے ہوئے ہیں۔ عمران خان حکومت نے مودی کی جانب سے ہمارے جسم کے ایک حصے کو کاٹ ڈالنے کے عمل کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے اور ہمیں دھوکہ دینے کے لیے توجہ محض ٹویٹس، مظاہروں، نعروں اور تقریروں پر مرکوز کر رکھی ہے۔ لائن آف کنٹرول اور ورکنگ باؤنڈری پر ہمارے شہری بھارت کے مسلسل حملوں سے شہید ہو رہے ہیں جبکہ بھارت کی گردن توڑ دینے کے لیے تیار ہماری افواج کو "تحمل" کی پالیسی کے تحت ایسا کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ یہ ڈھٹائی کے ساتھ خطے میں امریکہ کی پالیسی کو تسلیم کرنے کی بھاری قیمت ہے جو ہم چکا رہے ہیں، اور وہ پالیسی یہ ہے کہ پاکستان بھارت کو مضبوط علاقائی طاقت بنانے میں مدد فراہم کرے تاکہ بھارت چین کے سامنے کھڑا ہو سکے۔

جہاں تک معیشت کا تعلق ہے تو خوشحالی کے کسی بھی امکان کو ختم کرنے کے لیے جانتے بوجھتے معیشت کو تباہ و برباد کیا گیا جس کے نتیجے میں کاروبار بند ہو رہے ہیں، بے روزگاری اور مہنگائی بڑھ رہی ہے اور تعلیم و صحت کی سہولیات اور توانائی کا حصول عام آدمی کی پہنچ سے باہر ہو چکا ہے۔ عمران خان نے ہماری معیشت کو تباہ برباد کرنے کے لیے عالمی بینک اور آئی ایم ایف کے ہِٹ مین (hit-men) کو تعینات کیا، جنہوں نے واشنگٹن اتفاقِ رائے (Washington Consensus) کی شرائط کو نافذ کیا۔ ہم ان استعماری معاشی آلہ کاروں کے ساتھ ڈھٹائی کے ساتھ وابستگی کا خمیازہ مقامی کرنسی کی قدر میں کمی، غریب اور کمزور کی کمر توڑنے کے لیے ہر چیز پر ٹیکس اور مزید سودی قرضوں کے جال کی صورت میں ادا کر رہے ہیں۔

تبدیلی کا مطلب تبدیلی ہوتا ہے جبکہ عمران خان حکومت کے آغاز سے ہی کوئی تبدیلی متوقع نہیں تھی۔ موجودہ اپوزیشن کی طرح عمران خان بھی استعماری سیاسی اور معاشی ورلڈ آڈر سے مکمل طور پر وفادار ہے۔ اور موجودہ اپوزیشن کی طرح اسے بھی استعمار سے اس کی وفاداری کی وجہ سے امت کی طرف سے وسیع پیمانے پر مسترد کر دیا گیا ہے۔ عمران خان کو ہٹانے سے یا صدارتی نظام لانے سے کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو گی۔ پارلیمانی اور صدارتی جمہوریت میں یہ قدر مشترک ہے کہ دونوں ہی استعمار کے سیاسی و معاشی ورلڈ آڈر کی وفادار ہیں۔ اس بات کا ثبوت خود پاکستان کی سات دہائیوں پر مشتمل تاریخ ہے جہاں چہروں کی تبدیلی کے ساتھ صدارتی اور پارلیمانی، دونوں طرح کی جمہوریت کو نافذ کیا جا چکا ہے اور کسی بھی دور میں استعماری سیاسی و معاشی آڈر کی مخالفت نہیں کی گئی۔ لہٰذا اگر ہم بار بار اسی بنیادی غلطی کو دہرائیں گے تو مختلف نتیجے کی امید کیسے لگا سکتے ہیں؟

اس وقت تک کوئی تبدیلی نہیں آسکتی جب تک وہ تبدیلی بنیادی اور ہمہ گیر نہ ہو۔ مسلمانوں کو صرف ایک ہی انقلابی تبدیلی لانے کی اجازت ہے اور وہ ہے اسلام اور اس کے نظام خلافت کے ذریعے اسلام کی حکمرانی کا قیام۔ آج جب مسلمان خلافت کے خاتمے کے ایک سو ہجری سال مکمل ہونے کی یاد میں اظہارِ افسوس کر رہے ہیں، جسے رجب 1342 ہجری بمطابق مارچ 1924 میں ختم کیا گیا تھا، یہ بات تیزی سے واضح ہوتی جا رہی ہے کہ تبدیلی کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔ یقیناً خلافت سیاسی و معاشی آڈر میں حقیقی تبدیلی کا نام ہے کیونکہ وہ اسلام کے احکامات کو نافذ کرتی ہے۔ اسلام مسلمانوں کو ایک ریاستِ خلافت میں یکجا کرنے کو لازمی قرار دیتا ہے جس کے نتیجے میں ان کے تحفظ و دفاع اور فوجی صلاحیت میں زبردست اضافہ ہوتا ہے۔ اسلام مسلمانوں پر حملے کرنے، ان کے علاقوں پر قبضہ کرنے اور ان کے خلاف منصوبہ بندیاں کرنے والی ریاستوں کے ساتھ فوجی اتحاد سے منع کرتا ہے اور ان کے ساتھ صرف عارضی معاہدوں کی اجازت دیتا ہے یہاں تک کہ ان کے ساتھ لڑائی کی تیاری کر لی جائے۔ معاشی محاذ پر خلافت ایک زبردست معیشت تھی اور دنیا اسے رشک کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ اس کی کرنسی سونا اور چاندی تھی جس کی وجہ سے قیمتیں مستحکم رہتی تھیں۔ مقروض، غریب اور وہ جو اپنی بنیادی ضروریات پوری نہ کر سکتا ہو اس پر کوئی ٹیکس نہیں ہوتا تھا، اور انہیں بلا سود قرض اور امداد کی فراہم کی جاتی تھی۔ یہ سبق کہ خلافت کے قیام کے بغیر کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی، بہت تکلیفیں اٹھانے کے بعد سمجھا گیا۔

فہرست

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(213-214)

جلیل قدر عالم دین شیخ عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کی کتاب "التیسیر فی اصول التفسیر" سے اقتباس

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلاَّ الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ أَلاَ إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ (البقرة: 213-214)

"لوگ ایک ہی امت (مسلمان) تھے پھر (جبکہ وہ مومن اور کافر ہوئے) اللہ نے انبیاء کو بھیجا جو خوشخبری سناتے تھے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ حق کو بیان کرنے والی کتابیں نازل کیں تاکہ ان چیزوں میں لوگوں کے درمیان فیصلے کریں جن میں لوگ اختلاف کر چکے، اختلاف بھی انہی لوگوں نے واضح آیات آنے کے بعد ایک دوسرے سے ضد کی وجہ سے کیا کہ جن کو کتاب دی گئی تھی، پھر اللہ نے اختلاف کرنے والوں میں سے ایمان لانے والوں کو اپنی مشیت سے ہدایت دی، اللہ ہی جسے چاہتا ہے راہِ راست کی ہدایت دیتا ہے۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو گے ابھی تو تمہارے ساتھ سابقہ لوگوں جیسے واقعات پیش نہیں آئے، جس تنگی اور سختی کا ان کو سامنا ہوا اور وہ ہلا دیئے گئے یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے بول اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی، سنو اللہ کی مدد قریب ہے"۔

اللہ تعالی نے ان آیات میں یہ بیان کیا ہے:

1۔ لوگ آدم علیہ السلام کے ابتدائی دور میں، جب آپ کو جنت سے نکال کر زمین پر اتارا گیا تھا، اللہ کی عبادت اور اللہ پر ایمان رکھنے والے تھے، اس لیے وہ ایک امت تھے اور امت سے یہاں مراد لوگوں کا وہ مجموعہ ہے جن کا عقیدہ ایک ہو۔

اس کے بعد انہوں نے آپس میں اختلاف کیا کچھ مومن ہوئے کچھ کافر، تب اللہ تعالی نے مقررہ اوقات میں انبیاء کو بھیجا جو مومنوں کو جنت کی خوشخبری اور کافروں کو اللہ کی ناراضگی اور آگ سے ڈراتے تھے، اللہ تعالی ان انبیاء کے ساتھ اپنی واضح آیات والی کتابیں بھی نازل فرماتا تھا، جو خیر اور شر کو بیان کرتی تھیں تاکہ انبیاء ان کے درمیان متنازعہ امور میں فیصلے کریں۔

مگر یہ امتیں اپنے رسولوں سے اختلاف کرتی تھیں۔ شدید ترین اختلاف کرنے والے ان کے علماء، مشائخ اور راھب ہوتے تھے، یہی لوگ نازل کی گئی کتابوں میں تحریف اور ردوبدل کرتے تھے حالانکہ ان کتابوں میں حق اور باطل کے درمیان فرق کو واضح کرنے والی قطعی دلائل بیان ہوتے تھے، یعنی یہ باطل پر اصرار جانتے بوجھتے کرتے تھے، وہ جانتے تھے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں یہ باطل ہے، بغیر حجت اور برہان کے جانتے ہوئے تکبر، عناد، ظلم اور عداوت کی وجہ سے گمراہی کا راستہ اپناتے تھے۔ ہاں جو لوگ مخلص تھے اور رسول کے لائے ہوئے کی تصدیق کرتے تھے، اللہ ان کو راہ راست کی ہدایت دیتا تھا اور ان کو بتاتا تھا کہ اپنے رسولوں سے اختلاف کرنے والوں نے کیا تحریف اور تبدیلی کی ہے تاکہ وہ اس سے دور رہیں اور اس گناہ اور گمراہی میں نہ پڑیں بلکہ اللہ اپنے فضل سے ان کو اس سے بچاتا تھا، **وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيم** "اللہ جس کو چاہتا ہے راہ راست کی ہدایت دیتا ہے"۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ "لوگ ایک ہی امت تھے پھر اللہ نے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے انبیاء کو مبعوث کیا" اس میں "امۃ واحدۃ" کے بعد کی بات محذوف ہے، یعنی یہ امر کہ پھر انہوں نے اختلاف کیا اور مومن اور کافر بن گئے۔ اس محذوف پر دلالت 'مبشرین و منذرین' کے الفاظ کرتے ہیں، کیونکہ رسولوں کو اختلاف کرنے والے لوگوں کے پاس بھیجا گیا تاکہ خوشخبری کے حقداروں کو خوشخبری سنائیں اور ڈرانے کے حقداروں کو ڈرائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے لوگ حق پر تھے سب ایک ہی امت تھے پھر بعض نے اختلاف کر کے کفر کا راستہ اختیار کیا اور کچھ ایمان پر ہی باقی رہے، جس وقت اللہ نے مومنوں کو خوشخبری سنانے اور کافروں کو ڈرانے والے رسولوں کو بھیجا، لوگوں کا یہ حال تھا۔

وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ "اور ان کے ساتھ حق کو بیان کرنے والی کتاب نازل کی تاکہ رسول لوگوں کے درمیان ان متنازعہ امور میں فیصلے کریں جن میں انہوں نے اختلاف کیا"، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کے درمیان اختلافات اور تنازعات کے فیصلے کرنے کے لیے رسولوں کے پاس، ان پر نازل کردہ کتابوں میں لکھی ہوئی شریعتیں تھیں جیسا کہ اللہ فرماتا ہے "تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے شریعت اور منہج مقرر کیا" (المائدہ:48)۔

وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلاَّ الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ "اس میں اختلاف بھی صرف انہی لوگوں نے واضح نشانیاں آنے کے بعد باہمی عداوت کی وجہ سے کیا جن کو یہ نشانیاں پہلے دی گئی تھی"۔

"جن کو پہلے دی گئی تھی" یعنی اہلِ کتاب کے علماء، مشائخ اور راہب جس کا قرینہ "واضح نشانیاں آنے کے بعد" کے الفاظ ہیں، گویا یہ لوگ جاننے والے لوگ تھے، یوں آیت بتارہی ہے کہ شدید ترین اختلاف علماءاور راہبوں نے کیا، انہوں نے ہی تبدیلی اور تحریف کو جانتے ہوئے بھی حق بات کو چھپایا۔

بَغْيًا بَيْنَهُمْ "آپس میں عداوت کی وجہ سے" یعنی بغیر حجت اور برہان کے تکبر، ظلم اور سرکشی کی وجہ سے۔ **(بینهم)** کا **(بغیا)** کے بعد آنے کا مطلب ہے کہ عداوت ان کے درمیان تھی، یہ ان کے ساتھ تھی جہاں بھی گئے اور بیٹھے، یہ ان کے ساتھ گئی اور بیٹھ گئی۔

2۔ پہلی آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حق اور باطل کے درمیان تصادم رسولوں کے لوگوں کے درمیان موجودگی کے وقت بھی ہے، بات یہاں تک محدود نہیں بلکہ سخت اختلاف علم والے ہی کرتے ہیں اور ان کے درمیان مومنین بہت کم ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے: **يأتي النبي و معه الرجل والنبي معه الرجلان**"(قیامت کے دن)ایک نبی آئیں گے جس کے ساتھ ایک یا دو آدمی ہوں گے۔۔۔"(بخاری: 5311، مسند احمد 58/3، تفسیر الطبری 8/2)۔

اس کا یہ مطلب ہے کہ مومنین ان فاسد معاشروں میں بڑی مشکل اور بڑی قربانیوں سے اپنا راستہ بناتے ہیں، اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کیونکہ آپ نے اپنی قوم اور اپنے وقت کے اہلِ کتاب یہود ونصاری کو حق کی دعوت دی مگر انہوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے بلکہ مزاحمت کی اور آپ ﷺ کی راہ میں رکاوٹ بن گئے، آپ ﷺ کو مکہ سے نکالا، اللہ کی راہ سے روکا اور مدینہ میں آپ ﷺ کے خلاف قتال کیا، خندق میں آپ ﷺ کے خلاف لوگوں کو جمع کیا، **وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ**"اور (یہاں تک کہ) کلیجے منہ کو آگئے"(الاحزاب: 10)۔ یوں آپ ﷺ کو سخت مشکلات کا سامنا ہوا جیسا کہ سابقہ امتوں نے اپنے رسولوں کے ساتھ کیا۔

دوسری آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کی مخلوق میں یہی اللہ کی سنت ہے کیونکہ جنت کی قیمت بہت زیادہ ہے: مشکلات، آزمائشیں، سخت مصائب اور اس قدر سخت جھٹکے کہ رسول اور اس کے ساتھ مومنین بھی اس بوجھ کی وجہ سے کہہ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی، تب ان کے پاس اللہ کی مدد آتی ہے۔ یوں اللہ کی مدد حق پر ثابت قدم رہنے والوں

اور آزمائش میں صبر کرنے والوں کے قریب ہے۔اس دن مومن اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے، مومن اس دن اللہ کی نعمتیں اور رضا دیکھ کر ایسے خوش ہوں گے گویا انہوں نے کوئی مصیبت اور تنگی دیکھی ہی نہیں: **يؤتى يوم القيامة بأشد الناس بلاء و مصيبة فيدخل الجنة و يسأل عن المصائب التى رآها في الدنيا فكأنها لم تكن في حياته لعظم ذلك النعيم**"قیامت کے دن سب سے زیادہ مصیبت زدہ کو لا کر جنت میں داخل کیا جائے گا اور اس سے ان مصیبتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا جس کا دنیا میں اس نے سامنا کیا، تو ان نعمتوں کی عظمت کی وجہ سے اسے ایسا لگے گا کہ اس نے کوئی مصیبت دیکھی ہی نہیں"۔مسند احمد 253/3،الزھد لابن مبارک 220،ابن أبی شیبہ 248/13

لفظ **(أم)** یہاں منقطعہ ہے جو کہ نئی بات شروع کرنے کے لیے ہے، سابقہ آیت "لوگ ایک ہی امت تھے" اور یہاں "کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہوگے" میں خطاب کے صیغے میں تبدیلی واقع ہوئی ہے اور اس لیے **(أم)** منقطعہ، متصلہ سے خطاب کے صیغے کے مختلف ہونے کی وجہ سے زیادہ مناسب ہے، پھر **(أم)** متصلہ ایک ہی کلام کا تقاضا کرتا ہے اور اس سے پہلے ہمزہ استفہام کا آنا شرط ہوتا ہے، جیسا کہ آپ کہیں **(أعندک زيد ام عمرو؟)** "کیا تمہارے پاس زید ہے یا عمرو؟" یعنی دونوں میں سے کون تمہارے پاس ہے؟ اس کا جواب اگر زید ہو تو زید ہے اور اگر عمرو ہو تو عمرو ہے، جبکہ **(أم)** منقطعہ استفہام اور خبر کے بعد واقع ہوتا ہے، یہاں یہ استفہام کے بعد نہیں تاہم کلام سے منفصل خبر کے بعد واقع ہے اس لیے یہ **(أم)** منقطعہ ہے۔

اور **(ام)** منقطعہ **'بل اور ہمزہ'** کے معنی میں ہوتا ہے، اس لیے معنی یہ ہوں گے: **بل أحسبتم ان تدخلوا الجنة**"بلکہ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہوگے، یعنی گمان کا انکار اور بعید از امکان ہونا، یہی وجہ ہے کہ جیسا کہ اللہ نے فرمایا کہ آزمائش کے بغیر جنت میں داخلہ نہیں۔

وَلَمَّا يَأْتِكُمْ "اور اب تک تمہارے ساتھ نہیں آیا" یعنی تمہارے ساتھ پیش نہیں آیا، **(لما)** میں نفی کیے گئے فعل کے واقع ہونے کی توقع ہے، اور یہ **(لم)** سے مختلف ہے۔

وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ "حتیٰ کہ رسول اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے کہہ اٹھے" یہ اس بات پر دلالت کے لیے ہے کہ شدت بہت بڑی تھی اور ہولناکی بہت عظیم تھی کہ اس کے بوجھ کے

وزن کو صرف عام لوگوں نے نہیں بلکہ ان رسولوں نے بھی بھاری سمجھا، جن کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور اور اس کے ساتھ رہنے والے مومنین بھی۔

مَتَى نَصْرُ اللَّهِ "اللہ کی مدد کب" یعنی اللہ کی مدد کب آئے گی؟ شک اور بے یقینی کی وجہ سے نہیں بلکہ مدت کی شدت کی وجہ سے۔

أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ "سنو اللہ کی مدد قریب ہے" یعنی اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو وحی کے ذریعے بتا دیا کہ اس کی مدد قریب ہے۔

اس کی ابتدا حرفِ تنبیہ (**أَلَا**) اور حرفِ تاکید (**إِنَّ**) سے کی تاکہ عنقریب پورا ہونے والے اللہ کے وعدے کے بارے میں ان کے دل مطمئن ہوں۔

چونکہ انہوں نے کہا تھا "اللہ کی مدد کب" یعنی اللہ کی مدد کب آئے گی؟ گویا کہ وہ شدت سے مدد کے قریب ہونے کا توقع کر رہے تھے، تو سوال کا جواب تنبیہ اور تاکید کے ساتھ آگیا کہ "سنو اللہ کی مدد قریب ہے"۔

فہرست

خلافت کا قیام ایک فرض ہے جس کے لیے ہم اللہ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ خلافت کے انہدام کے سو سال پورے ہونے پر...اے مسلمانو! اس کے قیام کی طرف لپکو

مصعب عمیر-پاکستان

اے مسلمانو! یہ رجب 1442 ہجری ہے، خلافت کو تباہ ہوئے ایک صدی بیت گئی ہے، وہ ریاستِ خلافت کہ جو ہمارے اجتماعی معاملات میں اسلام کے ذریعے حکمرانی کرتی تھی۔ خلافت کے خاتمے کے ساتھ ہی اس کرۂ ارض سے اسلام کی حکمرانی بھی ختم ہو گئی۔ اگرچہ اس سے قبل ہی ہمارے کچھ خطے استعماری کفار کے قبضے میں جا چکے تھے اور برصغیر بھی ان میں شامل تھا۔

رجب 1342ھ سے اب تک، ہمارا ایک بھی خطہ ایسا نہیں کہ جہاں قرآن وسنّت سے ماخوذ قوانین کے ذریعے حکمرانی کی جا رہی ہو۔ چند انفرادی عبادات کے قوانین کے علاوہ، ہمارے اجتماعی معاملات میں انسانی خواہشات کے بنیاد پر بنے قوانین کی حکمرانی ہے، خواہ یہ جمہوری نظام ہو یا آمریت یا پھر بادشاہت۔ اگرچہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے لیکن اسلام کو مسلم دنیا میں فقط ایک سرکاری مذہب کی حد تک محدود کر دیا گیا ہے، جیسا کہ مغربی دنیا میں عیسائیت کو کیا گیا تھا۔ اب اسلام کا عمل دخل صرف ہمارے انفرادی معاملات میں ہے جیسا کہ نماز اور انفرادی زکوٰۃ، لیکن اسے ہمارے نظامِ حکومت، معاشیات اور داخلی امور سے بے دخل کر دیا گیا ہے۔

اے مسلمانو! ہمیں خلافت سے محروم ہوئے ایک صدی ہجری گزر چکی ہے، اگرچہ مسلمانوں کے حکمران کے لئے لمحہ بھر بھی اسلام کے علاوہ حکمرانی حرام ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صرف اپنے نازل کردہ احکامات کے مطابق حکمرانی کا حکم دیا ہے، اللہ سبحانہ تعالیٰ فرماتے ہیں، **فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ** "سو آپ کے رب کی قسم! یہ کبھی مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ اپنے تمام اختلافات میں آپ کو منصف نہ مان لیں" (النساء 4:65) "اور اسی طرح فرمایا: **وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّه** "جو (حکم) اللہ نے نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق آپ ﷺ ان میں فیصلہ کریں" (المائدۃ 5:49)۔

خلافت کو ختم ہوئے ایک صدی ہجری بیت چکی ہے، حالانکہ اسلام تو ہمیں اپنے تعلقات کی نگرانی کے لیے خود سے قوانین گھڑ لینے سے منع کرتا ہے۔ اسلام ہمیں صرف جلیل القدر قرآن اور سنّتِ مصطفیٰ سے ماخوذ قوانین تک محدود کرتا ہے، رسول اللہ کا ارشادِ مبارکہ ہے، **إِنَّ اللَّهَ تعالى فَرَضَ فَرَائِضَ فَلاَ تُضَيِّعُوهَا، وَحَدَّ حُدُوداً فَلاَ تَعْتَدُوهَا، وَحرَّم أَشْيَاءَ فَلاَ تَنْتَهِكُوهَا،** "اللہ نے کچھ فرائض تم پر عائد کئے ہیں انہیں ضائع نہ کرو کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان کے پاس نہ پھٹکو کچھ حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو" **(دار قطنی، النووی)**. اسی طرح رسول اللہ نے فرمایا: **مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ** "جس نے ہمارے معاملے (دین) میں کوئی ایسی چیز داخل کی جو اس میں سے نہیں، تو وہ مردود ہے" **(مسلم)**

چنانچہ، اے مسلمانو! نہ ہی حاکم اور نہ ہی محکوم ایک لمحے کے لئے بھی اللہ سبحانہ تعالیٰ کے احکامات سے رُو گردانی کر سکتا ہے، تو ایک صدی ہجری کا گزر جانا کتنا سنگین ہے۔ اے مسلمانو! ایک صدی ہجری بیت گئی ہمیں اس نافرمانی کے ماحول میں جیتے ہوئے۔

ہمیں خلافت سے محروم ہوئے ایک صدی ہجری گزر چکی ہے، جبکہ ایک خلیفہ کا تقرر اسی لمحے فرض ہو جاتا ہے کہ جب پچھلا خلیفہ وفات پا جائے یا اسے ہٹا دیا جائے۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: **كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لا نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ، قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: فُوا بِبَيْعَةِ الأَوَّلِ فَالأَوَّلِ، أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ** "بنی اسرائیل کی سیاست (امور کی دیکھ بھال) انبیاء کیا کرتے تھے، جب کوئی نبی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ کثرت سے خلفاء ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کی، ہمارے لئے کیا حکم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، پہلے کے بعد پہلے والے کو بیعت دو، انہیں ان کا حق ادا کرو (یعنی ان کی اطاعت کرو)۔ اور اللہ ان سے ان کی رعیّت کے متعلق سوال کرے گا" (بخاری، مسلم)۔ ہم اس تمام عرصے خلافت کے بغیر زندگی گزار رہے ہیں، جبکہ ہم پر فرض کیا گیا ہے کہ خلیفہ کی عدم موجودگی میں جلد سے جلد خلیفہ کی بیعت کے عمل کو شروع کیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ حضور کی تدفین سے پہلے ہی سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ کے انتخاب کے لئے اکٹھے ہو گئے تھے۔

اے مسلمانو! ہمیں خلافت سے محروم ہوئے ایک صدی ہجری گزر چکی ہے، جبکہ ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم تین دن اور تین راتوں سے زیادہ خلیفہ کی بیعت کے بغیر رہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کی بیعتِ انعقاد رسول اللہ ﷺ کی وفات کے روز ہی ہو گئی تھی، اور اس سے اگلے دن لوگوں نے مسجد میں اکٹھے ہو کر ابو بکرؓ کو بیعتِ اطاعت دی۔ جب یہ بات عیاں ہوئی کہ حضرت عمرؓ اپنے اوپر ہونے والے خنجر کے وار سے جانبر نہیں ہو سکیں گے تو انہوں نے حکم دیا کہ اگر خلیفہ کا انتخاب تین دنوں میں نہ ہو پائے تو چھ نامزد کردہ اشخاص کے اکثریتی فیصلے سے ان میں سے جو بھی اختلاف کرے، اس کو قتل کر دیا جائے۔ یہ حکم تمام صحابہ کرامؓ نے سنا اور کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا، جبکہ ایک اکابر صحابی کا قتل تو درکنار ایک مسلمان کے قتل کا معاملہ بھی نہایت سنجیدہ ہے، اسی لئے اس معاملے کو اجماع صحابہؓ کے طور پر لیا جاتا ہے۔ اجماع صحابہ تب ہی وقوع پذیر ہوتا ہے جب کسی معاملے کو صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست سیکھا لیکن ہمیں ایک حدیث کی صورت میں روایت کرنے کی بجائے، اپنے غیر اختلافی عمل کے ذریعے بیان کیا۔ یعنی صحابہ کے اجماع کی وہی حیثیت ہے جو رسول اللہ ﷺ سے حدیث روایت کرنے کی ہے ۔ چنانچہ ہمارے لئے خلیفہ کی بیعت کے بغیر تین دن اور تین راتوں سے زیادہ وقت گزارنا حرام ہے۔

اے مسلمانو! ہمیں خلافت سے محروم ہوئے ایک صدی ہجری گزر چکی ہے، جبکہ صحابہ کرامؓ نے اپنے دن اور رات ایک کر دیے تاکہ خلافت کے تقرر کے لیے تین دن اور تین راتوں کی حد کو پامال ہونے سے بچایا جائے. بخاری نے مسور بن مخرمہ سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا: **طَرَقَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بَعْدَ هَجْعٍ مِنْ اللَّيْلِ، فَضَرَبَ الْبَابَ حَتَّى اسْتَيْقَظْتُ، فَقَالَ أَرَاكَ نَائِمًا، فَوَاللَّهِ مَا اكْتَحَلْتُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ بِكَبِيرِ نَوْمٍ** "عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے رات کا کچھ حصّہ گزرنے کے بعد میرے دروازے پر تب تک دستک دی جب تک کہ میں بیدار نہ ہو گیا، انہوں نے مجھ سے کہا، میں کیا دیکھتا ہوں اے مِسور، تم سو رہے ہو! واللہ میں پچھلی تین راتوں سے مقدور بھر سویا بھی نہیں" اور ابنِ کثیر نے اپنی کتاب البدیہ والنہایہ میں بیان کیا ہے، **فلما كانت الليلة التي يسفر صباحها عن اليوم الرابع من موت عمر، جاء - عبد الرحمن بن عوف - إلى منزل ابن أخته المسور بن مخرمة فقال: أنائم يا مسور؟ والله لَم أغتمض بكثير نوم منذ ثلاث** "وہ رات کہ جس کا طلوعِ آفتاب حضرت عمرؓ کی وفات کا چوتھا روز تھا، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اپنے بھتیجے مِسور بن مخرمہ کے گھر آئے اور ان سے کہا، اے مِسور تم سو رہے ہو؟ اللہ کی قسم! میں پچھلی تین راتوں سے کم ہی سو پایا ہوں"۔ غرضیکہ چوتھی صبح سے قبل جب لوگ فجر کی نماز کے لیے

اکٹھے ہوئے تو حضرت عثمانؓ کی بیعت مکمل ہو چکی تھی۔ تو کیا آج ہم اپنے دن رات خلافت کے قیام کی جدوجہد میں گزار رہے ہیں جب اس تمام عرصے سے خلافت عدم موجود ہے؟ کیا ایسا ہے؟

رسول اللہ ﷺ سے اجماع صحابہ کے ذریعے ہمیں روایت پہنچی ہے، اے مسلمانو! ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم ایک خلیفہ کی بیعت کے بغیر تین دن اور تین راتوں سے زائد عرصہ گزاریں۔ تاہم خلیفہ کے منصب کو ختم ہوئے ایک صدی ہجری بیت چکی ہے کہ جس میں کتنے ہی تین دن اور تین راتیں آئیں اور گزر گئیں۔ اے مسلمانو! کیا ہم نے خلافت کے قیام کی جدوجہد میں تاخیر نہیں کر دی؟!

تین دن اور تین راتوں سے زائد عرصہ ایک خلیفہ کی بیعت کے بغیر گزارنے کے لئے صرف ایک عذر پیش کیا جا سکتا ہے کہ ایک ناقابل تسخیر حالات کے سامنے ہم مجبور ہو کر بیعت کا فرض ادا نہ کر سکے۔ اے مسلمانو! صرف اسی حالت میں گناہ کا بار ہمارے کاندھوں سے ہٹ سکتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس فرض کی تکمیل کے لئے صَرف کر دیں اور اس فرض کے قیام میں تاخیر صرف ان عوامل کی وجہ سے ہو جو ہمارے اختیار میں نہیں۔ ابنِ حبان اور ابنِ ماجہ نے ابنِ عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ** "بے شک اللہ نے میری امّت کی خطاؤں اور بھول جانے کو معاف کیا ہے اور ان اعمال کو کہ جسے کرنے پر انہیں مجبور کیا گیا ہو". یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اگر ہم کسی شدید معاملے کی وجہ سے مصروف اور مغلوب نہیں تو ہم ایک خلیفہ کی تقرری میں تین دن اور تین راتوں سے زیادہ تاخیر نہیں کر سکتے۔

ہمیں کس امر نے مجبور کیا ہے اور روکا ہے کہ ہم ایک خلیفہ کو اسلام کی حکمرانی پر بیعت دینے کے لیے کام نہ کریں؟ ہمیں کس امر نے مجبور کیا کہ ہم اس ظلمت بھرے کفریہ نظام کو ہٹانے کے لئے اپنے دن اور رات ایک نہ کر دیں؟ ہمیں کس امر نے مجبور کیا کہ ہم کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کریں اور مسلم اُمّت کو اس کے اصل مقام کو بحال کرنے کی کوشش نہ کریں یعنی ایک عظیم امّت جس پر حکمرانی اسلام کے نور اور ہدایت سے کی جائے؟

پچھلی ایک صدی سے ہمارے خطوں پر کفر، ظلم اور گمراہی کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ اے مسلمانو! بلاشبہ خلافت کے انہدام سے ہمارے اوپر منکرات کا ایک سمندر چڑھ دوڑا ہے، نہ صرف اسلام کے بغیر حکمرانی ایک منکر ہے بلکہ اس نے

منکرات کے پہاڑ کو جنم دیا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نظامِ حکومت، اقتصادیات اور خارجی پالیسی اللہ کے نازل کردہ قوانین کے ذریعے منظم نہیں ہو رہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور اس کے قہر سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کو قائم کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خبردار کیا، **إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِعَمَلِ الْخَاصَّةِ حَتَّى يَرَوْا الْمُنْكَرَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ وَهُمْ قَادِرُونَ عَلَى أَنْ يُنْكِرُوهُ فَلَا يُنْكِرُوهُ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَذَّبَ اللَّهُ الْخَاصَّةَ وَالْعَامَّةَ** "یقیناً اللہ عزوجل چند لوگوں کے اعمال کی وجہ سے سب لوگوں کو مصیبت میں مبتلا نہیں کرتے، یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان منکر کو دیکھیں اور استطاعت کے باوجود اس کا انکار نہ کریں، تو جب وہ ایسا کرتے ہیں تو اللہ ان چند مخصوص لوگوں کے ساتھ سب لوگوں کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے" (مسند احمد)۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ہمیں خبردار کیا ہے **وَاتَّقُوا فِتْنَةً لاَ تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ** "اور اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو تم میں خاص ظالموں ہی کو لاحق نہیں ہو گا اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے" (الانفال: 25)۔

پچھلے سو سالوں میں ہم خلافت کے دوبارا قیام کے معاملے میں بے عملی کے بہت سے نتائج بھگت چکے ہیں۔ دنیاوی تکالیف اور ذلت و رسوائی اپنے عروج کو پہنچ چکی ہے۔ ایک تکلیف ختم نہیں ہوتی اور دوسری شروع ہو جاتی ہے، ایک رسوائی اپنے سے بڑی رسوائی کی جانب لے جاتی ہے۔ ہماری بے عملی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اگر ہم اپنے دنیاوی معاملات میں مصروف رہے اور اسلام کی حکمرانی کو نظر انداز کرتے رہے تو نہ ہم دنیا میں فتح اور نجات حاصل کر سکیں گے اور نہ ہی آخرت کی کامیابی اور نجات ہمارے حصے میں آئے گی۔ اے مسلمانو! جو بھی اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ سے محبّت کرتا ہے تو ایسے شخص کے لئے بے عملی کوئی راہِ انتخاب نہیں ہے۔ ہمیں رب کی عطا کردہ صحت اور وقت کی نعمت کو ضائع نہیں کرنا چاہیے اور اللہ کی رضا کے حصول کے لیے انہیں خرچ کرنا چاہئے، تاکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اس کے بدلے ہمیں کبھی نہ ختم ہونے والی جنّت میں داخل کرے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ** "دو نعمتیں جو بہت سے لوگ ضائع کرتے ہیں، اچھی صحت اور فارغ وقت" (بخاری)۔ جو کوئی رسول اللہ ﷺ کو اپنی جان سے زیادہ محبوب رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اس پختہ عزم کو یاد کرے جو رسول اللہ ﷺ کے اعمال میں جھلکتا تھا جو آپ ﷺ نے اللہ کے احکامات کو نافذ کرنے کے لیے سرانجام دیے۔ جب آپ ﷺ کے چچا نے آپ ﷺ کو باز رہنے کا کہا تو آپ نے جواب دیا، **يَا عَمّ ، وَاللهِ لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِي يَمِينِي، وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِي عَلَى أَنْ أَتْرُكَ هَذَا الْأَمْرَ**

حَتّى يُظْهِرَهُ اللهُ أَوْ أَهْلِكَ فِيهِ مَا تَرَكْتُهُ "اے چچا! اللہ کی قسم اگر یہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند رکھ دیں، تب بھی میں اس کام کو ترک نہیں کروں گا، یہاں تک کہ اللہ اس دین کو غالب کر دے یا مجھے اس راہ میں فنا کر دے"۔ آیئے اپنے نفوس کو بدل ڈالیں تا کہ ہمارے حالات بھی بدل سکیں۔ آیئے دینِ اسلام کے لیے اپنے عزم کو پختہ کریں، بھر پور جدّو جہد کریں کہ رسول اللہ کی بشارت کے مطابق اسلام کا سورج پوری دنیا کو منور کر دے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **لَا يَلْبَثُ الْجَوْرُ بَعْدِي إِلَّا قَلِيلًا حَتَّى يَطْلُعَ فَكُلَّمَا طَلَعَ مِنْ الْجَوْرِ شَيْءٌ ذَهَبَ مِنْ الْعَدْلِ مِثْلُهُ حَتَّى يُولَدَ فِي الْجَوْرِ مَنْ لَا يَعْرِفُ غَيْرَهُ ثُمَّ يَأْتِي اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى بِالْعَدْلِ فَكُلَّمَا جَاءَ مِنْ الْعَدْلِ شَيْءٌ ذَهَبَ مِنْ الْجَوْرِ مِثْلُهُ حَتَّى يُولَدَ فِي الْعَدْلِ مَنْ لَا يَعْرِفُ** "ظلم میرے بعد زیادہ دیر چپ نہ رہے گا، وہ سر اٹھائے گا، جتنا ظلم بڑھتا جائے گا اسی قدر عدل گھٹتا جائے گا، یہاں تک کہ ایک شخص پیدا ہو گا اور اس نے ظلم کے سوا کچھ نہ دیکھا ہو گا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ عدل کو واپس لائے گا، تو جتنا عدل بڑھتا جائے گا اسی قدر ظلم گھٹتا جائے گا، یہاں تک کہ ایک شخص پیدا ہو گا اور اس نے عدل کے سوا کچھ نہ دیکھا ہو گا" (احمد)۔ امام احمد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ** "اور پھر ظلم کا دَور ہو گا اور وہ باقی رہے گا جب تک اللہ چاہے گا اور پھر اسے اٹھا لے گا جب وہ چاہے گا۔ اس کے بعد پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت (خلافت علیٰ منہاج النبوۃ) ہو گی اور پھر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے"۔

[فہرست](#)

رسول اللہ ﷺ کا عمل مستقل ہوا کرتا تھا

استاد شایف صالح الشرادی-صنعاء

(الواعی میگزین شمارہ 406 سے ترجمہ)

بخاری و مسلم نے علقمہ سے حدیث روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: "میں نے عائشہؓ سے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ (اپنے کسی عمل کے لیے) کوئی دن مقرر کیا کرتے تھے؟ فرمایا: نہیں، آپ ﷺ کا عمل مستقل ہوتا تھا، اور تم میں سے کس کی اتنی طاقت ہے جتنا رسول اللہ ﷺ کی طاقت وہمت تھی؟"۔

اور بخاری و مسلم نے مسروق سے حدیث روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں: "میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: نبی ﷺ کو کونسا عمل پسند تھا؟ فرمایا: "جس کی پابندی کی جائے"۔

بخاری و مسلم نے روایت کی ہے: نبی ﷺ سے پوچھا گیا: اللہ تعالی کے نزدیک کونسا عمل زیادہ پسندیدہ ہے؟ فرمایا: جس پر سب سے زیادہ ہمیشگی رکھی جائے خواہ کم ہی کیوں نہ ہو"۔

مسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے: "رسول اللہ ﷺ جب کوئی عمل کرتے تو اس پر قائم رہتے، اور جب رات کو سو جاتے یا بیمار پڑ جاتے (جس کی وجہ سے رات کی نماز اور نوافل رہ جاتے) تو دن کو (نفلی نماز کی) بارہ رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔"

امام نووی فرماتے ہیں: ان کا یہ کہنا کہ آپ ﷺ کا عمل "دِیْمَۃ" ہوتا تھا، اس کا مطلب ہے کہ اس پر قائم رہتے اور چھوڑتے نہیں تھے، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل لغت کہتے ہیں کہ دیمۃ ایسی بارش کو کہتے ہیں جو کئی دن تک برستی ہے، پھر ہر اس چیز کو جو دائمی اور مسلسل ہو، دیمۃ کہا جانے لگا۔"

اسی باب سے وہ احادیث ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ فلاں فلاں نیک اعمال پر استقامت، حفاظت اور ثابت قدمی سے قائم رہتے تھے۔ ہم ان میں سے چند کا ذکر کرتے ہیں:

امام ابوداؤد اور امام ترمذی نبی ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت اُمّ حبیبہؓ سے روایت کرتے ہیں، کہ آپؓ فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: "جو شخص ظہر سے پہلے اور بعد میں چار رکعتوں کی نگرانی (پابندی) کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر آگ (دوزخ) حرام کر دیتا ہے۔"

امام ترمذی نے عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت کی ہے، اور اسے صحیح کہا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جو کوئی مسلمان ان کی پابندی کرے گا، وہ ضرور جنت میں داخل ہو گا، خبردار! یہ دونوں کام ہیں تو آسان، مگر ان کو کرنے والے کم ہیں: ہر نماز کے بعد دس مرتبہ اللہ کی تسبیح کرے، دس مرتبہ اللہ کی حمد بیان کرے، دس مرتبہ اللہ کی بڑائی بیان کرے، فرمایا یہ زبانی تو 150 کلمات بنتے ہیں مگر میزان میں 1500 ہوں گے۔ اور جب تم اپنے بستر پر لیٹ جاؤ تو سو مرتبہ سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھو، (یعنی ہر ایک 33 مرتبہ) یہ زبان سے تو 100 ہیں مگر میزان میں 1000 ہیں، تو (بتاؤ) تم میں سے کون شخص رات دن میں 2500 گناہ کرتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، اس کی پابندی کوئی کیونکر نہیں کرے گا؟ فرمایا: تم لوگوں میں سے ایک کے پاس شیطان آکر اسے کہتا ہے جبکہ وہ نماز پڑھ رہا ہوتا ہے: فلاں بات یاد کرو، فلاں یاد کرو، یہاں تک کہ وہ ان کلمات کو پڑھے بغیر چلا جاتا ہے تو اس لیے وہ نہیں کر پاتا۔ بستر پر جاتے ہوئے اس کے پاس آکر مسلسل اس کو سلانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ (ان کلمات کو پڑھے بغیر) سو جاتا ہے۔" ناصر الدین البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، اسے ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے، ان کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں: **((خَصْلَتَانِ أَوْ خَلَّتَانِ لَا يُحَافِظُ عَلَيْهِمَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ، هُمَا يَسِيرٌ وَمَنْ يَعْمَلُ بِهِمَا قَلِيلٌ ...))**"دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جو کوئی مسلمان ان کی پابندی کرے گا، وہ ضرور جنت میں داخل ہو گا، خبردار! یہ دونوں کام ہیں تو آسان، مگر ان کو کرنے والے کم ہیں ۔۔۔"۔ تحفۃ الاحوذی کے مصنف علامہ مبارکپوری فرماتے ہیں: **((هُمَا يَسِيرٌ وَمَنْ يَعْمَلُ بِهِمَا قَلِيلٌ))** کا مطلب ہے: "ہمیشگی سے اس کو کرنے والے کم ہیں۔"

امام مسلم نے ابو موسیٰ الاشعریؓ سے نقل کیا ہے: اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث نقل کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قرآن کی حفاظت کیا کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے، اونٹ جتنی جلدی اپنی رسی سے نکل جاتا ہے قرآن اس سے بھی زیادہ جلدی اور تیزی سے (ذہن سے) نکل جاتا ہے۔" حدیث کے الفاظ ابن براد کے ہیں۔

نبی کریم ﷺ اول تو تمام لوگوں سے زیادہ ہر وقت ہی سخی تھے، بالخصوص رمضان میں آپ ﷺ کی سخاوت سب سے زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ اس مہینہ میں جس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لا کر آپ ﷺ سے ملاقات کرتے تو آپ ﷺ کو قرآن کریم سنایا کرتے تھے، جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات کے بعد آپ ﷺ کی سخاوت اور خیر و بھلائی تیز بارش لانے والی ہوا سے بھی زیادہ ہوتی تھی، میرے ماں باپ اور میری جان آپ ﷺ پر نثار ہو۔ اور جبرئیل علیہ السلام ہر سال آپ ﷺ سے ملتے، یہ ملاقات رمضان میں ہوتی تھی اور ہر سال آپ ﷺ کو قرآن سناتے، اور جس سال آپ ﷺ کی روح قبض کی گئی جبرئیل علیہ السلام نے اُنہیں دو دفعہ قرآن سنایا۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے فرض کردہ احکامات کی نگرانی، حفاظت اور اہتمام دین کے واجبات یعنی ضروری کاموں میں سے ہے۔ اور یہی صراط مستقیم پر ثابت قدمی کہلاتا ہے۔ چنانچہ فرض اعمال میں تو کوئی سستی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ مسلمان پر یہ لازم ہے کہ وہ ان پر لازماً اور اپنی پسند یا اختیار سے ہٹ کر عمل کرے۔ جہاں تک نمازوں کی سنتوں پر بالخصوص اور دیگر افضل اعمال پر بالعموم استقامت کی بات ہے تو یہ بھی شرعی مستحبات میں سے ہے اور ان میں اجازت ہے۔ کیونکہ یہ اعمال ایسے ہیں کہ ان کے کرنے پر مؤمن کو اجر ملتا ہے، چھوڑنے پر کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ البتہ احادیث میں ایک مسلمان کے لیے ترغیب کے الفاظ آئے ہیں تاکہ وہ اپنا وقت ان مندوبات میں لگا کر جتنا کر سکتا ہے، ان پر قائم رہے۔ اور خواہ کم ہی کیوں نہ ہو مگر اس کو شروع کرے۔ کیونکہ تھوڑا تھوڑا مل کر پہاڑ بن جاتا ہے۔ اور ان پر استقامت آدمی کی عادت بن جاتی ہے، پھر وہ اسے کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کرتا، بلکہ جب کبھی اس سے غفلت سرزد ہو اور وہ عبادت رہ جائے تو اسے کمی محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ انسانی نفس کو جب ایک عبادت کی عادت پڑ جاتی ہے، تو وہ اسے پسند کرتا ہے اور اس عبادت کی ادائیگی میں اللہ کی رضا جوئی کے لیے خوب کوشش کرتا ہے۔

یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ مسلمان کا مندوبات اور نوافل یا نمازوں کی سنتوں پر زیادہ مشغولیت فرائض کی طرح ہمیشہ نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ ایسا جائز نہیں، سب سے زیادہ پسندیدہ وہ اعمال ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مسلمان پر فرض کیے ہیں اس کے بعد نوافل، آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا" جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے گا میری طرف سے اس کے خلاف اعلان جنگ ہے، اور میرا کوئی بندہ میرے پسندیدہ کسی عمل سے میری قربت اتنی نہیں حاصل کر سکتا جتنا وہ فرض اعمال کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے برابر میرے قریب ہوتا رہتا ہے، تا آنکہ وہ میرا محبوب بن جاتا ہے،

اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کے پاؤں جس سے وہ چلتا ہے۔ وہ مجھ سے مانگے تو میں اس کو ضرور دیتا ہوں۔ وہ مجھ سے پناہ مانگے تو ضرور پناہ دیتا ہوں اور میں کسی بھی چیز سے جو میں کرنے والا ہوتا ہوں، اتنا نہیں جھجکتا جتنا ایک مومن کی جان لیتے ہوئے جھجکتا ہوں، وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی پریشانی کو ناپسند کرتا ہوں۔" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

اسی میں سے نماز پڑھ کر قیام اللیل کی پابندی کرنا ہے، خواہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔ اسی سے ہر مہینے کے ایام البیض کے روزے رکھنا ہے، یعنی تیرہ، چودہ پندرہ تاریخ کے روزے، یا ہر پیر اور جمعرات کو روزہ رکھنا۔ اسی سے مخصوص اذکار کی پابندی کرنا ہے، اور قرآن پڑھ کر، حفظ کر کے، باہمی درس دے کر اور رات کو نماز میں اس کی تلاوت کر کے اس کی خبر گیری کرنا، اس طرح چاشت کی نماز پر استقامت، فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک قرآن کی تلاوت، پھر اس کے بعد اشراق کی نماز پڑھنا، اسی طرح مغرب کی نماز کے بعد مخصوص رکعتیں نوافل کی پڑھنا۔

جب ایک مسلمان ان نوافل کا اہتمام کرتا ہے، تو اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان نوافل کے ساتھ اس کا رویہ اور معاملہ فرض جیسا نہ ہو کہ ان کو لازم سمجھے اور چھوڑنے پر اپنے نفس کا محاسبہ کرے، اور خواہ کسی فرض کو چھوڑنا پڑے اس کی پابندی کرے، ایسا نہ کرے، کیونکہ یہ سنت اعمال ہیں اور ان کو ان کی شرعی حقیقت کے دائرے میں ہی رکھنا چاہیے، اور وہ یہ کہ ان کا مرتبہ فرض کے بعد ہے، جب یہ فرض کے مقابلے میں آجائیں تو فرض کو مقدم کیا جائے گا، ایسے وقت میں یہ نہ سمجھا جائے کہ ان کی پابندی کا پاس نہیں رکھا گیا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کو کوئی ضروری کام، سفر یا بیماری وغیرہ جیسے حالات درپیش ہو جاتے ہیں، تو اس صورت میں ایک مسلمان ان نوافل کو چھوڑنے پر مجبور ہوتا ہے، جان بوجھ کر اس کو نہیں چھوڑتا۔

بعض سنت اعمال کے بارے میں یہ بھی آیا ہے کہ رسول ﷺ نے اس کو کبھی کیا اور کبھی چھوڑا ہے، مسلمان اس کا لحاظ کرے گا، اس کو اسی طرح کرنا اس کی پابندی کرنے سے بہتر ہے، جیسے چاشت کی نماز، یا جیسے ظہر و عصر کی آخری دو رکعتوں میں کبھی کبھار فاتحہ سے زیادہ قراءت کرنا، وغیرہ۔

بہترین طریقہ جس سے ایک مسلمان کے لیے عبادات کو مسلسل پابندی کے ساتھ ادا کرنا آسان ہو جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ عبادتوں کو رفتہ رفتہ شروع کرے، مثلاً شروع میں ایک عبادت ہلکے انداز میں شروع کرے یہاں تک کہ اس کو مکمل ادا

کردے۔ پھر ایک اور عبادت بڑھادے، اسی طرح آگے بڑھتا جائے یہاں تک کہ اس کے اکثر اوقات اللہ کی یاد سے معمور ہو جائیں اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مسلمان مردوں اور عورتوں کا ذکر فرمایا ہے وہ بھی ان میں داخل ہو۔

ایک مسلمان اس طرح ہی اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت میں مصروف کیے رکھتا ہے، یعنی جن کاموں کا اللہ تعالیٰ نے امر کیا ہے، یعنی فرض اعمال جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، ان کی ادائیگی میں ہر گز سستی یا تاخیر نہ کرے، اس کے بعد اپنے باقی وقت کو سنت اعمال اور نوافل میں لگائے۔ اس قسم کی مصروفیت سے فرضوں کی ادائیگی اچھے طریقے سے ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ اطاعت کی طرف ایمان سے معمور ہو کر متوجہ ہوگا، اور اس کا قلب مطمئن اور اپنے رب کے سامنے جھکا ہوا سرنگوں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَتَطۡمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكۡرِ ٱللَّهِۗ أَلَا بِذِكۡرِ ٱللَّهِ تَطۡمَئِنُّ ٱلۡقُلُوبُ** "یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور جن کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں۔ یاد رکھو کہ صرف اللہ کا ذکر ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔"[الرعد:28]

اور فرمایا: **ٱلَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ ٱللَّهُ وَجِلَتۡ قُلُوبُهُمۡ وَٱلصَّٰبِرِينَ عَلَىٰ مَآ أَصَابَهُمۡ وَٱلۡمُقِيمِي ٱلصَّلَوٰةِ وَمِمَّا رَزَقۡنَٰهُمۡ يُنفِقُونَ**،"جن کا حال یہ ہے کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دلوں پر رعب طاری ہو جاتا ہے اور جو اپنے اوپر پڑنے والی مصیبت پر صبر کرنے والے ہیں اور نماز کو قائم کرنے والے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے، اس میں سے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرتے ہیں۔"(الحج:35)۔

فہرست

سونے اور چاندی پر مبنی کرنسی (حصہ اوّل)

منیب الرحمٰن - پاکستان

تمام تعریفیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے ہیں، جس نے انسان کو تخلیق کیا اور قلم کے ذریعے اسے علم سکھایا اور اس کو وہ علم دیا جس سے وہ آگاہ نہ تھا اور درود وسلام ہو سید الانبیاء خاتم النبیین ﷺ پر جن کی شفاعت کے ہم سب طلب گار ہیں اور جو ہمارے لئے یوم حشر شفاعت کریں گے۔ اور سلامتی ہو صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، صالحین، صدیقین، شہداء، فقہاء مجتہدین اور محدثین پر کہ جنہوں نے اس دین کو بااحسن وخوبی سمجھا اور اسے دوسروں کو سکھایا اور اپنی فہم وفراست، دن رات کی انتھک کوششوں اور محنتوں اور قربانیوں کے ذریعے اس دین کو نسل در نسل منتقل کیا۔

اسلام ایک ارفع دین اور مکمل نظام حیات ہے جو معاشرے کو ایک ایسا ضابطہ فراہم کرتا ہے جس کی روشنی میں ایک فرد یا ایک قوم فکری بلندی کو طے کرتے ہوئے مادی ترقی بھی حاصل کر سکتی ہے۔ اسلام جمود کا ہرگز قائل نہیں بلکہ ہر قسم کے پیش آمدہ حالات اور معاملات پر غور وفکر کر کے شرعی نصوص اور قواعد کی روشنی میں احکامات اخذ کرنے کی ترغیب دیتا ہے، انسانی زندگی سے متعلق مسائل کا اگر ہم بغور جائزہ لیں تو ہمیں معاشی مسئلہ مرکزی اہمیت کا حامل نظر آتا ہے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ اسلام کے احکامات کو اپنی زندگیوں میں خصوصاً معاشی معاملات میں داخل کئے بغیر عالمگیر اقتصادی استحکام کا حصول ناممکن ہے اور اس کے حل کے لئے قرآن وسنت کی رہنمائی میں ایک ایسا عملی نمونہ عوام وخواص کے روبرو پیش کیا جائے جو نہ صرف قابل عمل ہو بلکہ ایسا مضبوط اور مستحکم ہو جو تمام ذہنی الجھنوں اور اشکالات کو دور کر دے۔

حالیہ دور کی ایک بہت بڑی مشکل کاغذی کرنسی کے وجود کو ناگزیر سمجھنا ہے، حالانکہ ہمیشہ یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا یہ کاغذی کرنسی عالمی معاشی مسائل کو حل کر رہی ہے یا ان میں مزید اضافہ کر رہی ہے اور دولت کو ایک مخصوص طبقے کے پاس جمع کر کے غریب کو مزید غریب تر بنا رہی ہے؟ جب صورتحال ایسی ہی ہے تو اس کا حل کیا ہے؟ اس کے لئے ہمیں شرع کی طرف رجوع کرنا ہوگا کہ وہ ہمیں معاشرے کو چلانے کے لئے کس قسم کی کرنسی کے استعمال کا پابند قرار دیتی ہے۔ اس تناظر میں اگر سیرت وتاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عہد نبوی ﷺ سے لے کر خلافتِ عثمانیہ کے آخری دور تک کاغذی کرنسی کا تصور بالکل نہیں تھا، بلکہ سونے اور چاندی کے سکے یعنی دینار اور درہم ہی بطور کرنسی استعمال ہوتے رہے اور اس دور کی خوشحالی

کی وجہ بھی یہی تھی کہ سونااور چاندی کے از خود قیمتی ہونے کی وجہ سے اس وقت کی معیشت اور کرنسی کسی بھی بیرونی سہارے کی محتاج نہیں تھی، اس لئے اس وقت کی معیشت نے اپنے بل بوتے پر ترقی کی اور عوام کو معاشی آسودگی فراہم کی۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے شکنجے میں پھنسے ہوئے لوگوں کو اس فرسودہ نظام کے مقابلے میں اسلام کے بہترین معاشی نظام کی صورت میں امید کی ایک کرن دکھائی جائے کہ کس طرح سونے اور چاندی کی مقدار سے کہیں زائد کاغذی کرنسی کے موجود ہونے کی وجہ سے پائے جانے والے افراطِ زر اور دیگر اقتصادی مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ یقیناً ایسا صرف خلافت کے دوبارہ قیام کے ذریعے ہی ممکن ہے کہ جب کاغذی کرنسی کو بالکل ہی ختم کرکے اس کی جگہ دینار و درہم کو اپنی اصلی ہئیت یعنی سونا اور چاندی کو بطور کرنسی دوبارہ رائج کیا جائے گا تاکہ موجودہ معاشرے کو درپیش معاشی و اقتصادی مسائل کا ایک مستحکم اور پائیدار حل عملی طور پر نافذ ہو سکے۔

کاغذی کرنسی:

کاغذی کرنسی اپنے مقبول عام ہونے اور سرکاری ساکھ کی موجودگی کے باوجود از خود حقیقی کرنسی نہیں۔ کاغذی کرنسی کے اس بین الاقوامی کردار کے باوجود یہ محض ایک مقبول زرِ مبادلہ کی حیثیت رکھتی ہے جسے ریاستوں اور حکومتوں کی سرپرستی نے مقبول بنا رکھا ہے۔ کاغذی کرنسی کی یہ عالمی صورتحال مستقبل میں پیش آنے والے ممکنہ حالات کے باعث کئی قسم کے خطرات کو جنم دے سکتی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کرنسی کی پشت پر مؤثر ضمانتیں یعنی معدنی کرنسی (سونا/چاندی) نہ ہونے کے باعث اقوام اور ممالک کی اقتصادی صورتحال بہت دِگرگوں ہو چکی ہے، مختلف ممالک کے درمیان کرنسیوں کی شرحِ تبادلہ بھی ایک مستقل مسئلہ ہے جس نے معاشی اعتبار سے کمزور ممالک کی اقتصادی اور سیاسی صورتحال کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ کاغذی کرنسی موجودہ دنیا کا سب سے بڑا دھوکا ہے۔ مشہور برطانوی ماہر معاشیات John Keynes نے کہا تھا کہ مسلسل نوٹ چھاپ کر حکومت نہایت خاموشی اور رازداری سے اپنے عوام کی دولت کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر لیتی ہے، یہ طریقہ اکثریت کو غریب بنا دیتا ہے مگر چند لوگ امیر ہو جاتے ہیں۔

افراطِ زر کی وجوہات:

کاغذی کرنسی پہلے تو حکومت کے پاس موجود سونے اور چاندی کی مالیت کے برابر مقدار میں چھاپی جاتی تھی، لیکن 1971 میں Bretton woods معاہدہ ٹوٹنے کے بعد ایسی کوئی روک ٹوک باقی نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ کرنسی کنٹرول والے ادارے اور حکومتیں اپنی آمدنی بڑھانے کے لئے زیادہ سے زیادہ کرنسی چھاپنے کے خواہشمند ہوتے ہیں، لیکن اگر کرنسی زیادہ چھاپی جائے تو افراط زر کی وجہ سے اس کی قدر خود بہ خود کم ہو جاتی ہے، یعنی اس کی قوت خرید کم ہو جاتی ہے۔ اس طرح لوگوں کا اور باقی دنیا کا اعتبار اس کرنسی پر کم ہونے لگتا ہے، جو کرنسی چھاپنے والے ادارے یا حکومت کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ لوگ اب دوسری کرنسی کی طرف رجوع کرنے لگتے ہیں، اس لئے حکومتیں ایک حد سے زیادہ کرنسی نہیں چھاپ پاتیں لیکن تھوڑی تھوڑی مقدار میں بھی مسلسل کاغذی کرنسی چھپتے رہنے سے اس کرنسی کی قوت خرید کم ہوتی جاتی ہے، اس کے برعکس دھاتی کرنسی کی قدر، وقت کے ساتھ مستحکم رہتی ہے۔ کاغذی کرنسی کا دھوکہ یہ ہے کہ کسی کو اپنی بڑھتی ہوئی غربت کا احساس ہی نہیں ہوتا، اگر کسی ملازم کی تنخواہ 5 فیصد کم کر دی جائے تو اسے شدید اعتراض ہوتا ہے لیکن جب افراط زر کی وجہ سے اس کی تنخواہ کی قوت خرید 10 فیصد کم ہو جاتی ہے تو وہ اتنا اعتراض نہیں کرتا۔ جتنے سالوں میں کسی کی تنخواہ دگنی ہوتی ہے اتنی ہی مدت میں مہنگائی تین گنا ہو چکی ہوتی ہے۔

1947 میں پاکستان میں ایک امریکی ڈالر تقریباً 1 روپے کا تھا جبکہ سونا 57 روپے تولہ تھا۔ قیمتوں کا بڑھنا کاغذی کرنسی کا لازمی جزو ہے، اوسطاً کاغذی کرنسی میں افراط زر 9.17 فیصد رہا ہے، جبکہ اگر کسی ملک میں افراط زر کسی سال 4-5 فیصد ہو تو اس کو کامیابی تصور کیا جاتا ہے، جبکہ Gold Standard میں حد درجہ افراط زر 1.75 فیصد رہا ہے ورنہ اکثر اوقات تو قیمتیں مستحکم رہی ہیں بلکہ منفی 0.5 فیصد Deflation رہی ہے۔

اگر کرنسی سونا اور چاندی ہو تو افراط زر تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے، سونا اور چاندی پر مبنی کرنسی میں افراط زر صرف اسی صورت ممکن ہوتا ہے جب اس کی اتنی بڑی مقدار معاشرے میں آجائے کہ ملک کی ضرورت سے زیادہ ہو۔ مثال کے طور پر جب 1849 میں امریکی ریاست کیلیفورنیا میں بڑی تعداد میں سونا رکھنے والی کان دریافت ہوئی تب بھی اگلے 12 سالوں میں امریکہ میں افراط زر کی شرح اوسطاً 1.75 فیصد ہی رہی۔ اس کے برعکس کاغذی کرنسی چھاپ کر حکومتیں اپنی آمدنی تو بڑھا لیتی ہیں، لیکن اپنے عوام کو غریب بنا دیتی ہیں، اس طرح وہ اپنے عوام سے خفیہ طور پر Inflation Tax وصول کرتی ہیں۔

Bretton Woodsکا معاہدہ:

دوسری جنگ عظیم تک دنیا بھر کی عوام میں کاغذی کرنسی کا رواج مستحکم ہو چکا تھا، لیکن مشکل یہ تھی کہ مرکزی بنک آپس میں کس طرح لین دین Business Transactions کریں، کوئی بھی مرکزی بنک کسی دوسرے مرکزی بنک کی چھاپی ہوئی کاغذی کرنسی قبول کرنے کو تیار نہیں تھا اور سونے کا مطالبہ کرتا تھا، اسی مشکل کو حل کرنے کے لئے دوسری جنگ عظیم کے دوران 1944 میں Bretton Woods, New Hampshire امریکہ کے مقام پر ایک کانفرنس منعقد کی گئی، اس کانفرنس کے نتیجے میں بین الاقوامی مالیاتی فنڈ IMF اور World Bank وجود میں آئے، اس کانفرنس میں 44 اتحادی ممالک کے 730 مندوبین نے شرکت کی تھی۔ جب کوئی ملک کسی دوسرے ملک کی کاغذی کرنسی پر کنٹرول حاصل کر لیتا ہے تو وہ بڑے پوشیدہ طریقے سے اس دوسرے ملک کی معیشت، صنعت، تجارت اور دولت پر حاوی ہو جاتا ہے، Bretton Woods System بنانے کا اصل مقصد بھی اسی طرح سے دنیا بھر پر امریکہ کی حکمرانی قائم کرنا تھا۔

اس کانفرنس کے انعقاد کے وقت دنیا بھر کے مرکزی بنکوں کے پاس موجود کل سونے کا دو تہائی حصہ امریکہ کے پاس تھا ،اس کانفرنس کے دوران Gold convertible exchange طے کیا گیا جس سے مراد یہ تھا کہ امریکی ڈالروں سے جتنا چاہیں سونا خریدا جا سکتا ہے، اس لئے اس exchange سے ڈالر ہی مراد لیا جائے۔ اسی معاہدے کے مطابق 35 امریکی ڈالر ایک اونس سونے کے برابر طے پائے تھے اور امریکہ 35 ڈالر کے عوض اتنا سونا دینے کا پابند تھا، دنیا کی دیگر کرنسیوں کی قیمت امریکی ڈالر کے حساب سے طے ہوتی تھی، یوں اس معاہدے میں بڑی چالاکی سے سونے اور چاندی کے بجائے ڈالر کو کرنسی کا معیار مقرر کیا گیا۔

ڈالر کی حاکمیت کا آغاز:

اس معاہدے کے بعد دوسرے ممالک اپنی کرنسی کو امریکی ڈالر سے ایک مقررہ نسبت پر رکھنے پر مجبور ہو گئے چاہے اس کے لئے انہیں ڈالر خریدنے پڑیں یا بیچنے پڑیں، اس اسکیم کی خاص بات یہ تھی کہ اب دنیا بھر میں کاغذی ڈالر گردش کرنے لگا، پس جو کچھ فوجی طاقت سے حاصل کیا جاتا تھا اب وہ سب کچھ شرح تبادلہ سے حاصل ہونے لگا۔

اس معاہدے نے غلامی کی ایک نئی قسم کی بنیاد رکھی جو پہلے سونے کی کرنسی کے دور میں ممکن نہ تھی، اس نئی قسم کی غلامی میں براہِ راست انسان غلام نہیں ہوتے بلکہ ان کی کرنسی غلام ہوتی ہے اور جب کرنسی غلام ہوتی ہے تو پوری معیشت غلام ہوتی ہے، قابل تخلیق کرنسی اپنے تخلیق کنندہ کی غلام ہوتی ہے لیکن سونے اور چاندی کی کرنسی کبھی غلام نہیں بن سکتی، Bretton Woods کے معاہدے نے پوری دنیا کو امریکی حکومت کا معاشی غلام بنا دیا۔

مغربی ممالک نے جو اپنی نو آبادیاں کھونے والے تھے، Bretton Woods کانفرنس میں ایسے ادارتی انتظامات کئے کہ نئے ابھرنے والے ممالک پر ان کی حاکمیت اور استحصال جاری رہے، تیسری دنیا کے ممالک نہ اس کانفرس کی مشاورت میں حصہ دار تھے نہ ہی نتائج سے کوئی فائدہ حاصل کر سکے، اس کے بجائے انہیں بہت کچھ کھو کر یہ حوصلہ شکن حقیقت پتہ چلی کہ یہ نظام تو ان کے ہی خلاف بنایا گیا تھا اور یہ بات یقینی بنا دی گئی تھی کہ وہ ہمیشہ استعماری ممالک کے زیر اثر رہیں گے۔

1971 تک امریکہ کے پاس ڈالروں کے عوض دینے کے لیے موجود سونے کی مقدار دنیا کی دو تہائی سے کم ہو کر صرف 22 فیصد رہ گئی تھی جبکہ یورپی ممالک اور جاپان نے تیزی سے سونے کے ذخائر میں اضافہ کرنا شروع کر دیا تھا، سونے کی قیمت بھی 35 ڈالر فی اونس سے بڑھ کر کئی گنا ہو چکی تھی، کیونکہ امریکہ نے کوریا اور ویتنام جنگ کے دوران بے دریغ نوٹ چھاپے تھے، اس کے علاوہ ڈالر کی Global liquidity پیدا کرنے کے لئے اور اسے عالمی کرنسی بنانے کے لئے Marshal Plan کے نام پر یورپ کی ترقی اور Communism کے خطرے سے دنیا کو بچانے کے لئے بھی بے دریغ ڈالر چھاپے گئے۔

1971 میں امریکہ اپنے Bretton Woods کے وعدے سے یک طرفہ مکر گیا جسے The Nixon Shock کہتے ہیں، امریکی صدر Richard Nixon نے اعلان کیا کہ اب امریکہ ڈالر کے بدلے سونا نہیں دے گا، اس وقت تک امریکہ کاغذی ڈالر چھاپ چھاپ کر اس کے بدلے عربوں سے اتنا تیل خرید چکا تھا کہ عرب اگر ڈالر کے بدلے سونے کا مطالبہ کر دیتے تو امریکہ اپنا پورا سونا دے بھی دیتا تو بھی کام نہ بنتا، 1971 کے اس امریکی اعلان سے عربوں کے اربوں ڈالر محض کاغذ کے ٹکڑوں میں تبدیل ہو گئے، دنیا بھر میں ہونے والے اس نقصان کا سارا فائدہ امریکہ کو ہوا۔

Bretton Woods کا معاہدہ ٹوٹنے کے بعد ہر ملک کو اپنی مرضی کے مطابق کاغذی کرنسی چھاپنے کا اختیار مل گیا، امیر ممالک نے فوراً بہت بڑی مقدار میں کاغذی کرنسی چھاپی اور مختلف ترقیاتی منصوبوں کے بہانے غریب ممالک کو قرض

دے دیے جسے اب وہ کئی نسلوں تک نہیں اتار سکتے، لیکن اس تمام عرصے میں امریکہ کا کاغذی ڈالر بین الاقوامی کرنسی بن چکا تھا، امریکہ 1944 میں Bretton Woods کے معاہدے میں جو کچھ حاصل کرنے سے رہ گیا تھا، اس کی کسر اب پوری ہو چکی تھی۔

آقا کرنسی اور غلام کرنسی:

جب ہندوستان پر برطانیہ کا راج تھا تو اگرچہ ہندوستان میں مقامی کرنسی روپیہ ہی تھی، لیکن یہ Pound Sterling کی غلام تھی، برطانوی حکومت اپنی مرضی سے شرح تبادلہ مقرر کرتی تھی اور ہندوستانی تاجر اسے قبول کرنے پر مجبور تھے، اسی طرح فرانس کے زیر تسلط نوآبادیاں Colonies میں فرنچ فرانک آقا کرنسی کی حیثیت رکھتا تھا۔ Bretton Woods کا معاہدہ درحقیقت اس وقت کے ہندوستانی کرنسی نظام کی عین نقل تھا، فرق صرف اتنا تھا کہ پاؤنڈ کی جگہ ڈالر نے لے لی تھی اور اب صرف ہندوستان کی بجائے پوری دنیا کا استحصال ہونا تھا، Bretton Woods معاہدے کے بعد ڈالر آقا کرنسی بن گئی اور ساری دنیا کی کرنسیاں اس کی غلام بن کر رہ گئیں اور بین الاقوامی تجارت میں آقا کرنسی کو ہمیشہ واضح برتری حاصل ہوتی ہے، آقا کرنسی کو ہی Reserve Currency کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور اسے جاری کرنے والا ملک تجارتی خسارے کے باوجود بھی درآمدات Import جاری رکھ سکتا ہے۔

سونے اور چاندی پر مبنی کرنسی کی طرف واپسی:

کاغذی نوٹوں کے رواج کے بعد سے پوری دنیا شدید معاشی عدم استحکام کا شکار ہوئی ہے، ظاہری طور پر بڑی سے بڑی مستحکم معاشی قوتیں بھی کبھی افراطِ زر کی وجہ سے تو کبھی سودی قرضوں کے بوجھ تلے دب کر اپنا معاشی نظام تباہ کر بیٹھتی ہیں، جس کی واضح مثال 8-2007 میں پوری دنیا میں بنکوں کے دیوالیہ ہونے کا طوفان تھا جس نے یورپ اور امریکہ جیسی بھاری بھرکم معیشتوں کو بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس پورے نظام کو بدل کر اس کی جگہ اصلی کرنسی یعنی دینار و درہم کو رائج کیا جائے تاکہ اس معاشی عدم استحکام کے خدشے سے ہمیشہ کے لئے جان چھوٹ جائے۔

موجودہ کاغذی کرنسی کے مقابلے میں سونا اور چاندی پر مبنی دینار و درہم کے رواج سے نہ صرف پوری دنیا کو اس کے معاشی مسائل سے چھٹکارا مل سکتا ہے بلکہ عالم اسلام اس کے ذریعے عالمی اقتصادیات سے سرمایہ دارانہ نظام اور استعماری ممالک کی اجارہ داری کو ختم کر سکتا ہے جس کی وجہ سے آئے روز استعماری ممالک مسلمان ممالک اور دیگر تیسری دنیا کے ممالک کو

قرضے اور امداد کے نام پر اپنے جال میں پھانستے ہیں اور اپنی مرضی کے فیصلے کرواتے ہیں تاکہ خطے میں اپنے مفادات کو حاصل کر سکیں لیکن سونا اور چاندی پر مبنی کرنسی کے رواج کی صورت میں عالم اسلام نہ صرف معاشی آزادی حاصل کر سکتا ہے بلکہ دیگر تیسری دنیا کے ممالک کی بلا سود مدد کر کے اسے اپنا ہمنوا بنا سکتا ہے تاکہ وہاں اسلام کی دعوت کو پھلنے پھولنے کا موقع ملے اور استعماری ممالک کے خلاف ایک مؤثر بلاک تشکیل دیا جا سکے۔

دینار اور درہم کے رواج میں حائل رکاوٹیں اور ان کا حل:

مغرب نے آزادی ملکیت کی تصور کی آڑ میں لوگوں میں یہ احساس بٹھا دیا ہے کہ وہ پہلی قوموں کے مقابلے میں زیادہ آزاد اور خود مختار ہیں مگر در حقیقت ان کی آزادی پہلی قوموں سے بھی زیادہ حد تک سلب کر لی گئی ہیں اور سب کو روبوٹ کی طرح ایک عالمی سرمایہ دارانہ سیاسی اور اقتصادی نظام میں جکڑ دیا گیا ہے، مغرب کا آزادی کا تصور صرف اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک حکمران طبقے کا مالی مفاد بیچ میں نہ آئے اس کے برعکس اسلام میں زندگی کا مقصد اللہ تعالی کی غلامی اور بندگی میں ہے اور اعمال کو شرعی احکامات میں مقید کیا گیا ہے، ان تمام حقائق کے تناظر میں جو ہم نے بیان کئے اور ہر گزرتے وقت کے ساتھ جب کہ مسلمان معاشروں میں موجود نظام کا بگاڑ اور فساد مزید واضح ہوتا جا رہا ہے جس کی وجہ امت مسلمہ میں بڑھتا ہوا شعور اور بیداری ہے لیکن اس کے باوجود بد قسمتی سے آج بھی ہمارے معاشرے میں ایک چھوٹا سا مخصوص طبقہ موجود ہے جو اگرچہ مزید سکڑتا چلا جا رہا ہے لیکن بہر حال وہ حکمران اور اشرافیہ طبقے سے بلواسطہ یا بلاواسطہ تعلق رکھتا ہے جو مغربی نظام کی چمک دمک سے مغلوب اور مرعوب ہے اور مغربی تہذیب کے مقابلے میں اسلامی تہذیب کے ہر پہلو میں کوئی نہ کوئی اعتراض، نکتہ چینی اور تنقید برائے تنقید کا موقع ڈھونڈتا رہتا ہے۔ کاغذ پر مبنی کرنسی کے مقابلے میں سونا اور چاندی پر مبنی کرنسی پر بھی یہ طبقہ اعتراضات اٹھاتا ہے، ذیل میں ان کے اعتراضات کا جائزہ لیا جائے گا اور ان کی تردید پیش کی جائے گی۔

1: کرنسی بنانے کے لئے دنیا میں سونا بہت کم ہے:

موجودہ نظام کے حامیوں کا مقبول ترین اعتراض یہ ہے کہ دنیا میں سونا اتنا کم ہے کہ اسے کرنسی کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے جواب کے لئے سب سے پہلے دیکھتے ہیں کہ دنیا میں سونا کتنا ہے، World Gold Council کے مطابق دنیا میں ہر سال 2500 ٹن نیا سونا کانوں سے نکالا جاتا ہے، ایک اندازے کے مطابق دنیا کی تاریخ میں 1950 تک کل

جتنا سونا نکالا گیا، اتنی ہی مقدار میں سونا 1950 سے لے کر آج تک نکالا جا چکا ہے، یعنی زمانہ قدیم سے 1950 تک جتنا سونا موجود تھا، آج اس کا دگنا ہے، اس وقت دنیا میں کل سونے کی مقدار 170 ہزار ٹن سے زائد ہے۔

دینار اور درہم کے مخالفین اس مقدار کو بہت کم دکھانے کے لئے ایسی مثالیں دیتے ہیں جس سے یہ واقعی بہت کم لگتی ہے مثلاً اگر اسی سارے سونے کو اکھٹا کیا جائے تو یہ پیرس میں موجود Eiffel Tower سے بھی کم ہوگا، مگر جب اسی مقدار کو ایک دوسرے زاویہ سے دیکھا جائے تو یہ بات الگ نظر آتی ہے، کہ یہاں سونے کو کرنسی بنانا مقصود ہے اور کرنسی کا بنیادی کام تجارتی لین دین کو نمٹانا ہوتا ہے، پس ہمیں صرف اتنا سونا درکار ہے جتنا کہ تجارتی معاملات کو سلجھانے کے لئے اور Liquidity برقرار رکھنے کے لئے کافی ہو۔

البتہ جو دنیا کا 5 فیصد امیر ترین طبقہ ہے جن کے معاملات بڑی بڑی رقوم پر مشتمل ہوتے ہیں، اس کو شاید یہ سونا براہ راست پورا نہ کر سکے مگر یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آج کل رقوم کے جو بڑے بڑے معاملات ہوتے ہیں ان کو پورا کرنے کے لئے دنیا میں خود ڈالر اور کاغذی نوٹ بھی موجود نہیں۔ M0, M1 اور M2 وغیرہ سرمائے کی مختلف قسمیں ہیں، یہ کسی نہ کسی شکل کا متبادل سرمایہ Money substitutes and derivatives ہوتے ہیں۔ اس میں Stock Exchange کے ذریعے پیسے کو کاغذوں اور کمپیوٹر میں جتنا چاہے بڑھا لیا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق دنیا میں Digital and derivative currency اتنی زیادہ ہے کہ اگر ان سب کے کرنسی نوٹ چھاپے جائیں اور ایک دوسرے کے اوپر رکھے جائیں تو یہ چاند تک پہنچ جائیں۔ اس فرضی اور تصوراتی مال کی علمبرداری کے لئے خود کرنسی نوٹ موجود نہیں تو پھر کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ سونا اتنا ہونا چاہئے، اول تو اسلامی نظام میں یہ سب فرضی مال معرض وجود میں ہی نہیں آسکتا اور جتنا حقیقی مال موجود ہے اس کے لئے سونا کم ہونے کے باوجود کرنسی کی مقدار کو پورا کیا جاسکتا ہے، یعنی چاندی کے ذریعے۔

کوئی یہاں پر یہ اعتراض بھی اٹھا سکتا ہے کہ یہ جو 170 ہزار ٹن سونا ہے اس میں بہت بڑی مقدار زیورات کی صورت میں موجود ہے، پس ناقابل استعمال ہے اور ہمیں صرف اس سونے کو دیکھنا چاہئے جو حکومتی تحویل میں ہے۔

اگر اس اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو دنیا کے صرف Top 20 ممالک میں سونے کے ذخائر تقریباً 30,500 ٹن ہیں یعنی 30 ارب 50 کروڑ گرام سونا حکومتی خزانوں میں اینٹوں کی شکل میں موجود ہے، جس کے اگر دینار بنائے جائیں تو یہ 7

ارب سے زائد دینار تیار ہو سکتے ہیں۔ مزید برآں اسلام سونے اور چاندی کی کرنسی اپنانے کا حکم دیتا ہے۔ تحقیقی مطالعوں کے مطابق دنیا میں سونے اور چاندی کا تناسب 1:9 ہے یعنی دنیا میں سونے سے نو گنا زیادہ چاندی موجود ہے۔ اور زمین کے اندر سونے اور چاندی کا تناسب 1:19 ہے یعنی کانوں کے اندر سونے کے مقابلے میں 19 گنا زیادہ چاندی موجود ہے۔ 2011 تک دنیا بھر میں چاندی کے ذخائر 530,000 ٹن تھے یعنی 5 کھرب 30 ارب گرام چاندی موجود ہے اور اگر اس تمام چاندی کے درہم بنائے جائیں جو کہ 2.975 گرام کے وزن کا ہوتا ہے تو تقریباً 2 کھرب چاندی کے سکے اور درہم بنائے جا سکتے ہیں۔ دنیا میں سونے اور چاندی کی کل مقدار دنیا کی کرنسی کی مقدار کو پورا کرنے کے لیے کافی ہیں۔

2: دنیا میں تو سونا کافی ہے لیکن پاکستان میں سونا بہت کم ہے:

پاکستان میں حکومتی ذخائر میں تقریباً 65 ٹن سونا موجود ہے جبکہ عام لوگوں کے پاس کتنا سونا موجود ہے اس کے کوئی اعداد و شمار نہیں، اگر ہم صرف حکومتی سونے کو ہی اٹھالیں جو کہ 65,000,000 گرام، 6 کروڑ 50 لاکھ گرام سونا ہے تو اس سے ڈیڑھ کروڑ سے زائد دینار تیار کئے جا سکتے ہیں جس کو اگر پاکستان کی 22 کروڑ عوام میں تقسیم کیا جائے تو ہر فرد کے حصے میں محض 0.07 دینار یعنی 2300 روپے آئیں گے، ویسے تو پاکستان کی آدھی سے زیادہ عوام جو یا تو غریب ہے یا lower middle class طبقے سے تعلق رکھتی ہے کے لئے یہ رقم بھی کافی ہے کیونکہ ان کی روزانہ کی آمدنی اور خرچہ 500، ہزار سے لے کر دو ہزار تک کا ہوتا ہے لیکن بہر حال حقیقی معنوں میں یہ سونا بہت کم ہے۔

لیکن بہر حال یہ 65 ٹن جو کہ 50 کھرب مالیت کا سونا پاکستان میں آنے والی خلافت کو Breathing space اور Grace period دے گا، جس میں یہ خلافت اگر فوری طور پر وسطی ایشیائی مسلم ریاستوں کو ضم کر لیتی ہے تو صرف ازبکستان اور قازقستان کے پاس ملا کر تقریباً 750 ٹن سونا موجود ہے جبکہ ان دونوں ملکوں کی کل آبادی تقریباً ساڑھے 5 کروڑ ہے۔ اسی طرح پاکستان سے قائم ہونے والی خلافت اگر چند مہینوں میں خلیجی ریاستوں کو اپنے اندر ضم کر لیتی ہے تو صرف سعودی عرب کے پاس 323 ٹن سونا موجود ہے جبکہ اس کی کل آبادی ساڑھے 3 کروڑ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ خلیجی ریاستوں میں جو کالا سونا یعنی Crude Oil موجود ہے جس کی دنیا کو ضرورت ہے اور ہم سونے کے بدلے اس کی تجارت کر کے اس کمی کو باآسانی پورا کر سکتے ہیں۔

اسی طرح اگر ہم چاندی کی بات کریں تو پاکستان میں چاندی کی پیداوار 3 ٹن سالانہ ہے، جبکہ چاندی کے ذخائر اور پیداوار کے لحاظ سے سب سے زیادہ مالا مال خطہ لاطینی امریکہ ہے۔ اسلامی علاقوں میں چاندی کے سب سے بڑے ذخائر ترکی میں ہیں جہاں گوموسکوئی کے مقام پہ دنیا کی ساتویں بڑی چاندی کی کان ہے، اسی طرح الجزائر اور آذر بائیجان میں بھی چاندی کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔ انشاءاللہ بہت جلد قائم ہونے والی خلافت جو تمام اسلامی علاقوں کو جلد سے جلد اپنے اندر سمونے کی کوشش کرے گی اور یہ اس لحاظ سے ہر گز مشکل نہیں کیونکہ پوری امت مسلمہ ایک اسلامی عقیدے کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں، جن کے افکار اور احساسات وجذبات ایک ہیں اور وہ اپنے اوپر مسلط ان غاضب اور خائن حکمرانوں سے نالاں ہیں اور اسلام کی بنیاد پر تبدیلی کے لئے بالکل تیار ہیں، یہی وجہ ہے کہ جس دن بھی کسی بھی اسلامی علاقے سے نبوت کے نقش قدم پر دوبارہ خلافت کا اعلان ہوگا اور خلیفہ راشد کی قیادت میں مسلم افواج کفار سے جہاد کرنا شروع کریں گی اس طرح کہ جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے اور مسلمانوں کو کفار کے تسلط سے آزادی دلوائیں گی تو یہ باقی علاقوں کے مسلمانوں میں خلافت کا حصہ بننے کی رائے عامہ کو ہموار کرے گا اور یقیناً خلافت ان علاقوں میں موجود اہل قوت میں موجود مخلص افراد سے رابطہ کرے گی تاکہ عملی اقدام اٹھا کر خائن حکمرانوں کو ہٹا کر ان علاقوں کو بھی جلد از جلد خلافت کا حصہ بنایا جائے۔

پس جب انشاءاللہ تمام اسلامی علاقے خلافت میں شامل ہو جائیں گے تو سونا اور چاندی تو کیا بلکہ مسلمان زراعت، صنعت، تجارت غرض کہ ہر معاملے میں خود کفیل ہوں گے اور یہ کفار ہوں گے جو کہ مسلمانوں کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوں گے کیونکہ انہیں ہماری ضرورت ہوگی نہ کہ ہمیں ان کی ضرورت۔ اور یہ سب کچھ صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ کے فضل سے ہی ممکن ہے کیونکہ وہی ہے جس کو چاہتا ہے عروج بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے زوال پزیر کرتا ہے۔

حوالہ جات:

http://www.pbs.org/wgbh/commandingheights/shared/minitext/ess_inflation.html

Is the Gold Standard still the Gold Standard among monetary systems? By Lawrence H. White

https://en.wikipedia.org/wiki/Nixon_shock

https://en.wikipedia.org/wiki/CFA_franc

https://en.wikipedia.org/wiki/Bretton_Woods_system

https://onlygold.com/faqs/facts-and-statistics/

https://www.bbc.com/news/magazine-21969100

https://en.wikipedia.org/wiki/Money_supply

https://www.goodreads.com/quotes/546212-gold-gets-dug-out-of-the-ground-in-africa-or

https://www.imf.org/external/about/gold.htm

فہرست

ریاستی اختیارات کی تقسیم اور احتساب

منعم احمد - پاکستان

انسان کے بنائے ہوئے نظاموں کی کمزوریوں میں سے سب سے بڑی کمزوری ان نظاموں کا خطاکار عقلِ انسانی پر مبنی ہونا ہے۔ یہ وہ کمزوری ہے جس کی وجہ سے انسان اس نظام کو ارتقاء کے عمل سے گزارنے پر مجبور ہوتا ہے تاکہ انسانوں کے بنائے گئے قوانین کے تجربات کا یہ عمل اس نظام کی کمی کوتاہیوں کو واضح کرے، جنھیں پھر عقلِ انسانی سے اخذ شدہ قوانین کے ذریعے پیوند لگا کر پہلے سے بہتر کی امید کے ساتھ دوبارہ ارتقاء کے سفر پر گامزن کر دیا جاتا ہے اور یوں یہ لامتناہی سفر کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اسی عمل کے دوران جہاں ریاست کے بیشتر آئینی اور قانونی معاملات پر بحث کی جاتی ہے، ان میں ایک اہم اور بنیادی موضوع ریاستی طاقت کی تقسیم کا تصور ہے جسے جمہوریت میں حکومت کے احتساب کی مضبوطی کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ اس تصور کے مطابق ریاست کی تمام طاقت اور تمام اختیارات ایک ہی شخص یا ادارے کے پاس نہیں ہونے چاہیے تاکہ وہ شخص یا ادارہ اس ریاست میں مختارِ کل نہ بن جائے، کیونکہ اگر ایسا ہو جائے تو اس کے نتیجے میں تمام ریاست، رعایا اور معاشرہ اس ایک شخص یا ادارے ہی کے رحم و کرم پر ہوں گے۔ اگر وہ شخص یا ادارہ اچھائی پر قائم رہے گا تو سب اچھا رہے گا لیکن صرف اس ایک شخص یا ادارے کی نیت خراب ہونے کی وجہ سے عظیم ظلم، ناانصافی اور کرپشن جنم لے سکتے ہیں جسے پھر روکنے والا کوئی نہ ہوگا۔

طاقت کی تقسیم کے جدید تصور کی جڑیں سولویں صدی میں ملتی ہیں جب جان کیلوِن نے جمہوریت کو اشرافیہ سے الگ کرنے کا تصور دیا۔ اسی تصور کی کچھ جھلکیاں سترویں صدی میں شمالی امریکہ میں بھی نظر آتی ہیں جہاں کچھ ریاستوں میں ریاستی طاقت کو دو اداروں میں تقسیم کیا گیا جہاں ایک ادارہ مقننہ اور عدلیہ دونوں کا کردار ادا کرتا تھا جو حکومتی معاملات چلانے کیلئے ایک انتظامیہ کے سربراہ کے طور پر ایک گورنر منتخب کرتا تھا جو پھر اپنے معاونین کے ساتھ انتظامیہ کو چلاتا تھا۔ یورپ میں انقلاب کے بعد یہ تصور باقاعدہ طور پر یورپی ریاستوں کے جمہوری ڈھانچوں میں نظر آیا جہاں قانون سازی کو حکومتی اختیارات سے الگ کیا گیا۔ جب یورپ کی خدائی بادشاہت سے تنگ آکر عیسائیت نے خدا اور بادشاہت کو الگ الگ کر دیا، تو اس کے نتیجے میں انسان کے بنائے نظام نے جنم لیا جو خدا سے آزادی پر مبنی تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ تجربات سے گزر کر انسان نے یہ سیکھا کہ چونکہ اس نظام میں اختیارِ کل انسان ہی کے پاس ہے، اس لیے تمام اختیارات ایک ہی ادارے یا انسان کو دینا درست نہیں، تاکہ وہ ہر معاملے میں اپنی مرضی نہ کر سکے اور کوئی اسے روکنے والا نہ ہو۔ طاقت کی تقسیم کے تصور پر مبنی اس جمہوری نظام میں مقننہ،

انتظامیہ اور عدلیہ کے درمیان طاقت کو تقسیم کیا جاتا ہے اور مقننہ کو عموماً مزید تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ نظام اس وقت دنیا کی بڑی اور فکری قیادت کرنے والی ریاستوں کا نظام ہے، اس لیے کوئی جامع فکری نظریہ (آئیڈیالوجی) نہ رکھنے والی اقوام بھی لامحالہ اسی کو اپناتی ہیں اور ان کے سامنے بھی اس کی وہی توجیہ رکھی جاتی ہے جو ان مغربی طاقتوں نے خود کیلئے استعمال کی، یعنی حکمران کے احتساب کی مضبوطی اور اختیارات کے غلط استعمال سے بچاؤ۔ اسی سوچ کی بنا پر اختیارات کو اداروں میں تقسیم کر دیا گیا جس کی ایک نمایاں مثال امریکہ کا حالیہ صدارتی نظام ہے، جہاں قانون بنانے کی طاقت اس کو نافذ کرنے والے کے پاس نہیں بلکہ کچھ اور لوگوں کے پاس ہے اور صدر کے خلاف عدالتی کاروائی کا اختیار کسی اور کے پاس ہے۔ اٹھارویں صدی میں بننے والے اسی امریکی آئین میں بھی ریاستی طاقت کی تقسیم کو اس سوچ کے ساتھ شامل کیا گیا کہ احتساب کے ایک مؤثر نظام کو ریاست کا حصہ بنایا جائے، جہاں ریاست کا ایک حصہ دوسرے کو قابو میں رکھ سکے تاکہ طاقت اور اختیارات کا غلط استعمال نہ ہو۔ آج کی جدید جمہوری ریاستوں میں ریاستی طاقت کی تقسیم کو ایک بنیادی عنصر کے طور پر دیکھا جاتا ہے جس کے بغیر ریاست میں اختیارات کا درست استعمال تقریباً ناممکن سمجھا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں آمریت اور بادشاہت کو اسی بنیاد پر نشانہ بنایا جاتا ہے کہ وہاں ایک ہی شخص تمام کے تمام اختیارات اور طاقت کا مالک ہونے کی وجہ سے عوام پر ظلم و ستم کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ ذاتی اور اپنے خاندان کے مفادات کو عوام کے مفادات پر فوقیت دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ جمہوریت کے حامی اس بات کے قائل ہیں کہ آمریت میں اس مطلق اختیار کی وجہ سے یہ ممکن ہی نہیں کہ حکمران کا احتساب کیا جا سکے کیونکہ حکمران کا عادل ہونا غیر یقینی ہے۔ اسی لیے ان کے نزدیک بری سے بری جمہوریت بھی اچھی سے اچھی آمریت سے بہتر ہے۔

احتساب کی مضبوطی کی خواہش نے طاقت کے توازن کے تصور کو جنم تو دے دیا لیکن جس حکمران کی کارکردگی پر اس کا احتساب کیا جانا تھا، اسی کارکردگی کی راہ میں روڑے بھی اٹکا دیے۔ اس تصور نے طاقت کو پے در پے تقسیم کر کے اداروں کو کمزور کر دیا۔ معاملات کو چلانے کیلئے طریقہ کار تو وضع کر لیے گئے لیکن تمام اداروں کو ساتھ لیکر چلنے کیلئے ان طریقوں پر عمل درآمد کرنے میں وقت صرف ہونے لگا اور معاملات کی رفتار نسبتاً سست ہو گئی۔ طاقت کی تقسیم کے باعث ایک ادارے کو اپنی ذمہ داری پوری کرنے کیلئے جو اختیارات درکار ہیں، اگر ان اختیارات کو استعمال کرنے کیلئے کسی دوسرے ادارے سے اجازت لینی پڑے تو دوسرے ادارے پر انحصار اس ادارے کی کارکردگی کو سست کر دیتا ہے۔ اب جب تک دوسرے ادارے سے یہ اجازت مجوزہ طور پر نہیں آجاتی، یہ ادارہ اپنی ذمہ داری کو مکمل طور پر ادا نہیں کر پاتا۔ مثال کے طور پر امریکی قوانین کے مطابق امریکی انتظامیہ ملکی معاملات چلانے کیلئے ذمہ دار ہے۔ ان معاملات کے اخراجات کو چلانے کیلئے درکار پیسے کو خرچ کرنا بھی اسی

ذمہ داری میں شامل ہے، لیکن اگلے مالی سال کیلئے درکار ان پیسوں (بجٹ) کی منظوری کا اختیار انتظامیہ کے پاس نہیں بلکہ کانگرس (مقننہ) کے پاس ہے۔ لہٰذا امریکہ میں ماضی میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں جب متعدد بار امریکی انتظامیہ کئی دنوں کیلئے کانگرس کی وجہ سے مفلوج ہو کر رہ گئی جس سے معیشت کو بھی شدید دھچکا لگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انتظامیہ کے پیش کیے گئے بجٹ کو کانگرس نے مقررہ مدت میں منظور نہیں کیا اور امریکی ریاست کے پاس اپنے اخراجات اور ملازمین کو تنخواہ دینے کیلئے پیسے ختم ہو گئے جس کی وجہ سے متعدد حکومتی معاملات رک گئے۔ امریکہ کی جدید تاریخ میں دس بار امریکی انتظامیہ ریاستی طاقت کی تقسیم کی وجہ سے بندش کا شکار ہو چکی ہے جس میں سے تازہ ترین بندش صدر ٹرمپ کے دورِ حکومت میں 22 دسمبر 2018 سے 25 جنوری 2019 تک ہوئی جو ابھی (2020) تک کی امریکی تاریخ کی طویل ترین بندش تھی جس کی وجہ سے امریکہ کو 5 ارب ڈالر کا تاریخی نقصان اٹھانا پڑا۔

طاقت کی تقسیم کا ایک اور نتیجہ یہ نکلا کہ کئی معاملات میں احتساب مضبوط ہونے کی بجائے کمزور پڑ گیا جس کی وجہ ذمہ داری کا تقسیم ہو جانا تھا۔ اگر ایک معاملے کو انجام تک پہنچانے کیلئے جن اختیارات کا استعمال درکار ہے، ریاست صرف ان اختیارات کے ہی استعمال پر اس متعلقہ ادارے کو ذمہ دار بھی ٹھہرا سکتی ہے اور کسی دوسرے ادارے کے اختیارات کے عدم استعمال یا غلط استعمال پر اسے موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ لہٰذا طاقت کی تقسیم کے ساتھ ذمہ داری بھی تقسیم ہو گی جس کے نتیجے میں کسی ایک شخص یا ادارے کو مسئلے کے حل میں ناکامی پر ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا کیونکہ وہ ذمہ داری اس اکیلے کی نہیں بلکہ مختلف اداروں میں تقسیم ہے۔ یہ عمل ریاستی ناکامی کی صورت میں کسی ایک ادارے پر انگلی نہیں اٹھنے دیتا جو کہ اداروں کی ناکامی کو مؤثر احتساب کے بغیر برداشت کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ جیسے کراچی میں 2020 کی مون سون بارشوں سے ہونے والی تباہی اور شدید نقصان کی مکمل ذمہ داری نہ تو وفاقی حکومت نے قبول کی، نہ ہی صوبائی حکومت نے اور نہ ہی ضلعی انتظامیہ نے یہ ذمہ داری قبول کی۔ طاقت اور اختیارات کی تقسیم کی وجہ سے مسئلے کو حل کرنے کیلئے جن اختیارات کا جس جگہ استعمال درکار ہے، وہ تمام کے تمام ان میں سے کسی کے پاس نہیں جس کی وجہ سے ان میں سے کوئی بھی مسائل کو پوری طرح حل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا اور اسی وجہ سے ان کا احتساب بھی نہیں کیا جا سکا۔ لہٰذا طاقت کے توازن کو قائم کرنے کیلئے طاقت کی تقسیم حقیقت میں احتساب کو کمزور کرتی ہے نہ کہ اسے مضبوط کرتی ہے۔

اسلام ریاست میں طاقت کی تقسیم کی جگہ طاقت کی مرکزیت کا تصور دیتا ہے۔ اگرچہ یہ حقیقت اپنی جگہ درست ہے کہ خلافت میں بھی خلیفہ کے پاس اپنی من مانی کی قانون سازی کرنے کا اختیار نہیں ہوتا، وہ صرف وحی میں موجود قوانین کا نفاذ ہی کر سکتا ہے لیکن قوانین کو نافذ کرنے کے تمام اختیارات واحد خلیفہ ہی کے پاس ہوتے ہیں۔ اگرچہ خلیفہ حسبِ ضرورت اپنی مدد کیلئے معاونین یا وزراء مقرر کر سکتا ہے جو ریاستی معاملات میں اس کی مدد کرتے ہیں لیکن ان کی کارکردگی اور فیصلوں کی ذمہ داری صرف خلیفہ ہی پر عائد ہوتی ہے کیونکہ وہ یہ فیصلے اپنے اختیارات کے بل بوتے پر نہیں کرتے بلکہ خلیفہ ہی کے تفویض کیے ہوئے اختیارات کے بل بوتے پر کرتے ہیں، یعنی ان کو یہ ذمہ داری خلیفہ ہی کی طرف سے سونپی جاتی ہے جو انھیں مقرر بھی کرتا ہے اور معزول بھی کرتا ہے۔ اسی طرح دیگر والی اور عاملین کا بھی معاملہ ہے جو اپنے دائرہ اختیار میں خلیفہ ہی کی وکالت کرتے ہیں اور اسی کی ذمہ داری کو پورا کرتے ہیں۔ جہاں تک عدلیہ کا تعلق ہے تو اس کے اختیارات بھی خلیفہ ہی کے پاس ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ امت خلیفہ کو مکمل اسلام کے نفاذ پر بیعت دیتی ہے یعنی اسلام کے نظام کے مطابق لوگوں کے تمام امور کی دیکھ بھال کرنے پر بیعت دیتی ہے، جس میں لوگوں کے باہمی تنازعات اور حکمران کے خلاف شکایات وغیرہ بھی شامل ہیں، اسی لیے عدلیہ کا یہ پہلو اور اس سے متعلق احکامات کا نفاذ بھی اسی بیعت میں شامل ہے جو خلیفہ کو ذاتی طور پر دی جاتی ہے۔ اس لیے جہاں اسلام کے حکمرانی سے متعلق احکامات کو جاری کرنا خلیفہ ہی کا اختیار ہے وہاں عدلیہ سے متعلق احکامات کو جاری کرنا بھی خلیفہ ہی کا اختیار ہے۔ لہٰذا اسلامی ریاستِ خلافت میں خلیفہ تمام اختیارات کا مرکز ہے جو انتظامیہ اور عدلیہ دونوں اختیارات پر مشتمل ہے، یعنی تمام ریاستی اختیارات خلیفہ ہی کی ذات میں ہیں۔

ریاستِ خلافت میں تمام اختیارات کا خلیفہ ہی کے پاس موجود ہونے سے وہ تمام تر فیصلے خود لینے کا مجاز ہوتا ہے جو کہ نظام کو چلانے میں کسی ریاستی ادارے کو رکاوٹ نہیں بننے دیتا، کیونکہ خلیفہ خود تمام ریاستی اداروں پر مختار ہے۔ خلیفہ کو کسی معاملے پر کوئی فیصلہ لینے کیلئے کسی دوسرے شخص یا ادارے سے منظوری نہیں لینی پڑتی جس کی وجہ سے معاملات پر فیصلے بروقت میسر ہوتے ہیں۔ اسی لیے محاسل اور اخراجات سے متعلق فیصلے کرنا، فوج کی حرکات اور حکومتی معاملات کے درمیان اخراجات میں توازن یا ترجیحات رکھنا، لوگوں اور معاشرے کی ضروریات سے متعلق بروقت فیصلے کرنا اور ان تمام فیصلوں کو نافذ کروانے جیسے تمام معاملات کیلئے خلیفہ کو کسی منظوری یا اجازت کا انتظار نہیں کرنا پڑتا کیونکہ ان تمام معاملات کے اختیارات خود اسی کے پاس ہیں۔ اسی طرح اختیارات کی مرکزیت کا یہ تصور احتساب کو بھی ایک ہی شخص پر مرکوز کر دیتا ہے جو خلیفہ خود ہے۔ لہٰذا تمام تر ذمہ داری بھی خلیفہ ہی کی ہوتی ہے اور جوابدہ بھی خلیفہ ہی ہوتا ہے، وہ یہ ذمہ داری کسی دوسرے سے بانٹ کر اس

جوابدہی سے فرار نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا تمام انگلیوں کا رخ خلیفہ ہی کی جانب ہوتا ہے جو اس پر عوام، مجلس امت اور سیاسی جماعتوں کی طرف سے ایک دباؤ قائم رکھتا ہے۔ قانون نافذ کرنے کے تمام اختیارات کی خلیفہ میں مرکزیت ایک خلیفہ کو تن تنہا ذمہ داری کے کٹھرے میں کھڑا کر دیتی ہے جس کے پاس پھر تقویٰ اور عوامی دباؤ کے پیشِ نظر اس کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں کہ وہ ذمہ داری سے اسلام کے احکامات کا نفاذ کرے، جس پر اس کو بیعت کے ذریعے خلیفہ بنایا گیا ہے۔

مندرجہ بالا مسائل کے علاوہ طاقت کی تقسیم ریاستی اداروں کے درمیان طاقت کی رسہ کشی کو جنم دیتی ہے جو ریاست میں عدم استحکام کا باعث بنتے ہیں۔ جیسے پاکستان میں فوج، عدلیہ، حکومت اور اپوزیشن اکثر سیاسی اثر و رسوخ اور اختیارات کی کھینچا تانی میں نظر آتے ہیں اور اپنے اختیارات کے بل بوتے پر دوسرے اداروں پر اپنی طاقت کا سکہ جمانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ مشرف دور میں کی گئی سترہویں ترمیم میں مقننہ کی تحلیل سے متعلق اہم اختیار کا صدر کو دیا جانا جسے اٹھارویں ترمیم میں پھر ختم کر دیا گیا اور اس کے علاوہ آئینِ پاکستان میں کی گئی متعدد ترامیم اسی طاقت کی تقسیم کی رسا کشی کی عکاسی کرتی ہیں۔ یہ معاملہ خلافت میں نہیں ہوتا کیونکہ تمام اختیارات پہلے ہی خلیفہ کے پاس موجود ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اختیارات کے مقابلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لہٰذا خلیفہ کی تمام تر توجہ صرف عوامی مسائل ہی کے حل کرنے پر مرکوز ہوتی ہے۔

ریاست میں طاقت کی تقسیم کا مغربی تصور اس سوچ کی عکاسی کرتا ہے کہ مغرب کے نزدیک انسان بحیثیت حکمران کی اصل شخصیت مفاد پرستی، کرپشن اور خود غرضی پر مبنی ہے اور اس کا عادل اور عوام پرست ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ لہٰذا انسان کو جب بھی حکومتی اختیارات دیے جائیں گے تو وہ لازمی طور پر ان کا غلط استعمال کرے گا۔ مغربی سوچ کے مطابق اسی وجہ سے حکومتی معاملات چلانے کیلئے اختیارات کو تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ اس "مفاد پرست" حکمران کو تمام کے تمام اختیارات نہ مل جائیں جس کی بنا پر وہ من مانی کر سکے۔ حکمرانی میں سست روی اس کی قیمت ہے لیکن خود غرضی اور کرپشن سے بچاؤ اس کا مقصد ہے۔ ایسے حکمران کے لیے لازمی طور پر ایک مضبوط احتساب کی ضرورت پڑتی ہے جو اسے سیدھا رکھ سکے اور ضرورت پڑنے پر اسے قانونی طور پر معزول بھی کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوری ریاستوں کے آئین میں ایسے قوانین (عدم اعتماد، پارلیمنٹ کی تحلیل وغیرہ) موجود ہیں جو حکمران کے احتساب کو صرف سیاسی یا عوامی دباؤ تک محدود نہیں کرتے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر قانونی سطح پر اسے معزول کرنے تک لیجاتے ہیں۔ لہٰذا حکومتی رفتار اور احتساب کے اس ترازو میں مغربی سوچ کے مطابق احتساب کا پلڑا بھاری ہے۔

اس کے مقابلے میں اسلامی ریاستِ خلافت میں طاقت کی مرکزیت کا تصور اس سوچ کی عکاسی کرتا ہے کہ خلیفہ بحیثیت حکمران کی اصل شخصیت عدل اور انصاف پر مبنی ہے جو تقویٰ کی بنیاد پر حکومت کرے گا۔ لہٰذا اس کے بارے میں گمان یہی ہے کہ وہ لوگوں پر ظلم نہیں کرے گا، بد دیانتی نہیں کرے گا، کرپشن نہیں کرے گا وغیرہ۔ اگرچہ ہمیں ایسی احادیث ملتی ہیں جس میں حکمران کے ناپسندیدہ ہونے، لعنتی ہونے اور لوگوں کا حق چھیننے کا ذکر ہے لیکن یہ غیر معمولی صورتحال سے متعلق ہیں جو کہ ایک انتہا ہے، جبکہ حکمران کی اصل شخصیت عدل اور انصاف پر ہی مبنی ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شرعی حکم کے مطابق کسی شخص کے خلیفہ منتخب ہونے کیلئے یہ قانونی طور پر ضروری ہے کہ وہ عادل ہو یعنی فاسق نہ ہو۔ ریاستِ خلافت کے آئین میں موجود یہ شق قانونی طور پر کسی فاسق شخص کیلئے خلافت کے منصب کا دروازہ بند کر دیتی ہے اور اس کی یقین دہانی کرتی ہے کہ حکمران لازمی طور پر عادل ہی ہو۔ علاوہ ازیں، حکمران کی معزولی کو ایک انتہائی قدم کے طور پر رکھا گیا ہے یعنی حکمران کو صرف تب ہی معزول کیا جا سکتا ہے جب اس میں عقدِ خلافت یعنی بیعتِ انعقاد کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو جائے جو ناقابل واپسی ہو یا پھر خلیفہ کفرِ بواح کے نفاذ پر بضد ہو، ان دونوں انتہائی صورتوں میں خلیفہ کی معزولی واجب ہے۔ ان دونوں معاملات کے علاوہ کسی بھی دیگر اختلافی معاملے میں قانونی طور پر خلیفہ کو معزول نہیں کیا جا سکتا اگرچہ سیاسی اور عوامی دباؤ کے ذریعے اس کا احتساب کیا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ واضح ہے کہ تقریباً تمام ریاستی فیصلوں کے درست نفاذ کا انحصار خلیفہ کے تقویٰ پر ہی ہے۔ اسی وجہ سے خلیفہ اپنے اختیارات کی بنیاد پر کیے گئے فیصلوں کو فوراً نافذ کر سکتا ہے جو حکمرانی کو مضبوط کرتا ہے اور معاملات کو نمٹانے میں تیزی لاتا ہے۔ لہٰذا حکومتی رفتار اور احتساب کے اس ترازو میں اسلام کی فکر کے مطابق حکومتی رفتار کا پلڑا بھاری ہے۔

احتساب کے حوالے سے اس نقطے کا ادراک بھی ضروری ہے کہ قانون کے ماخذ کا حکمران کے احتساب کے مؤثر ہونے سے گہرا تعلق ہے۔ جمہوریت میں آئین اور قانون کے احکامات کا ماخذ انسانی عقل ہے اور اسی انسانی عقل ہی کی بنیاد پر اس اخذ شدہ آئین و قانون کیلئے صحیح اور غلط کا پیمانہ بھی طے پاتا ہے۔ لہٰذا جمہوریت میں انسان کے پاس آئین و قانون کو وضع کرنے کا اختیار حکمران کو وہ چور دروازہ مہیا کر دیتا ہے جہاں سے وہ ہر معاملے میں اپنی مرضی کے قوانین بنا کر احتساب سے فرار ہو سکتا ہے۔ قوانین وضع کرنے کی یہ طاقت اور اختیار حکمران کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ عوام اور ریاستی اداروں کیلئے اپنے احتساب کو قانونی طور پر مشکل بنا سکے۔ مثال کے طور پر پاکستان کے آئین کی دفعہ 248 کے تحت صدر، گورنر، وزیر اعظم، صوبائی وزراء، وفاقی وزراء اور ریاستی وزراء اپنے قانونی اختیارات کے استعمال اور ذمہ داریوں کی ادائیگی کے حوالے سے پاکستان کی کسی بھی

عدالت کو جوابدہ نہیں ۔اکثر و بیشتر عوام کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ حکمران کی غلطیوں پر ان کا احتساب کرنے کیلئے ان کی حکومت ختم ہونے کا انتظار کریں، تب تک پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے اور تباہی و بربادی عیاں ہو چکی ہوتی ہے۔ پاکستان کے کئی سابقہ حکمرانوں پر حکومتی دور کے بعد عائد کیے جانے والے سخت مقدمات دورانِ حکومت احتساب کی کمزوری کی عکاسی کرتے ہیں۔

اس کے برخلاف خلافت میں خلیفہ اپنی مرضی کی قانون سازی کا اختیار نہیں رکھتا بلکہ تمام ریاستی قوانین اور ریاست کے آئین کو وحی سے اخذ کیا جاتا ہے۔ چونکہ عقلِ انسانی کے مقابلے میں وحی ایک حتمی اور قطعی پیمانہ ہے جو انسانی سوچ، حالات اور زمان و مکان کی تبدیلی سے تبدیل نہیں ہوتا، اس لیے خلیفہ کیلئے یہ گنجائش نہیں رہتی کہ وہ ریاستی اختیارات اور قوانین میں اپنی من مانی کر سکے۔ اس کے علاوہ تمام ریاستی اداروں، عدلیہ، مجلسِ امت، سیاستی جماعتوں اور عوام کیلئے بھی وحی ایک قطعی اور حتمی پیمانہ مہیا کر دیتی ہے جس کے ریاستِ خلافت میں حکمرانی کے احتساب کی بنیاد ہونے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ لہٰذا آئین و قانون کے ماخذ کا حتمی اور انسانی عقل کے اثر سے آزاد ہونا اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ خلیفہ قانون اخذ کرنے کیلئے ایک مخصوص ماخذ ہی کا پابند ہو جو سب کیلئے قابلِ قبول ہو اور جس کے قانونی ماخذ ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ لہٰذا اسی ماخذ ہی کی بنیاد پر احتساب کے قوانین بھی ترتیب دیے جاتے ہیں جن میں تبدیلی خلیفہ کی مرضی پر منحصر نہیں کیونکہ وہ قوانین کی تبدیلی کیلئے بھی وحی کو بنیاد بنانے کا پابند ہے۔ اسی وجہ سے ریاستِ خلافت میں خلیفہ اپنے احتساب کو کمزور بنانے یا اس سے بچنے کی خاطر اپنی مرضی کے قوانین بنا کر اپنے احتساب کے راستے میں قانونی رکاوٹیں کھڑی نہیں کر سکتا اور یہ امر خلافت میں حکمران کے احتساب کو وحی کی بنیاد پر مضبوط کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کفرِ بواح کے نفاذ کی صورت میں خلیفہ کو بزورِ شمشیر رجوع کرنے پر مجبور کرنا، بصورتِ دیگر خلافت کے منصب سے معزول کر دینا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بنیاد پر حکمران کے سامنے کلمہ حق بلند کرنا، فاسق ہو جانے کی صورت میں خلیفہ کی معزولی، خلیفہ کے خلاف مقدمے کی صورت میں متعلقہ قاضی کو برطرف کرنے کے اختیار کا ختم ہو جانا وغیرہ جیسے احکامات وحی ہی کی بنیاد پر موجود ہیں، جنھیں خلیفہ اپنی مرضی سے یا مجلسِ امت کی مرضی سے یا عوام کی مرضی سے تبدیل نہیں کر سکتا، یہ اور ان جیسے دیگر قوانین اسلامی ریاستِ خلافت میں خلیفہ کے کڑے احتساب کو یقینی بناتے ہیں۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ اگر ریاستِ خلافت میں آئین اور تمام قوانین وحی ہی کی بنیاد پر ہوں اور خلیفہ بھی عادل ہو لیکن حکمرانی ملنے بعد وہ اسلام کے تنفیذی احکامات میں مفاد پرستی یا کرپشن کے ذریعے اپنے ذاتی مفادات کا تحفظ کرنے لگے تو اس کا احتساب کیسے ہو گا؟ تو یہ سوال اس ذہن کی پیداوار ہے جو آج کے جمہوری حکمرانوں پر خلیفہ کو قیاس کر رہا ہے۔ جمہوریت میں حکمرانوں کا عیاش ہونا، کرپٹ ہونا، مفاد پرست ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں بلکہ یہ ایک عام بات ہے اور اس کی بنیادی وجہ جمہوریت میں قانون سازی کا اختیار ہے جس سے مٹی کو بھی سونا بنایا جا سکتا ہے۔ اسی طاقت کو حاصل کرنے کیلئے ہر طرح کا کرپٹ اور خود غرض انسان آموجود ہوتا ہے اور اپنے پیسے کو کئی گنا منافع سے واپس ملنے کی ضمانت کے ساتھ پانی کی طرح بہاتا ہے۔ اس کے علاوہ اسی قانون سازی کی طاقت کے حامل افراد کی سرمایہ دارانہ منڈی میں قیمت لگتی ہے جو سرمایہ داروں کے مفادات کی خاطر ان کی مرضی کے قوانین بناتے ہیں اور اس طرح وہ سرمایہ داران حکمرانوں اور حکومتوں کو کنٹرول کرتے ہیں۔ یہی قانون سازی کی طاقت کے متمنی ہر آنے والے انتخابات میں مفادات کی بنیاد پر اپنی سیاسی حمایت تبدیل کر لیتے ہیں تاکہ بدلتے سیاسی ماحول سے فائدہ اٹھا کر دوبارہ اسمبلیوں میں جگہ بنا سکیں۔ اس کرپٹ اشرافیہ میں موجود خود غرض حکمرانوں کو اسلامی ریاستِ خلافت کے عادل اور اہل خلیفہ پر قیاس کرنا سراسر حماقت ہو گی۔ اسلامی ریاستِ خلافت میں من مانی کی قانون سازی کے اختیار کا نہ ہونا خلیفہ کو اپنے مفادات کو قانونی شکل دینے اور تحفظ دینے سے روک دیتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ لوگ جو خلافت کی ذمہ داری کیلئے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں، وہ اسی سوچ کے ساتھ آگے آتے ہیں کہ انھوں نے اسلام کے احکامات ہی کو نافذ کرنا ہے جس پر انھیں بیعت دی جاتی ہے اور جو ریاستِ خلافت کا آئین ان سے قانوناً تقاضا کرتا ہے۔ اسلامی ریاست قانونی زور کی بنیاد پر نہیں بلکہ لوگوں کی اسلامی شخصیت پر مبنی تربیت کے ذریعے تقوی کو اسلام پر چلنے کی بنیاد بناتی ہے۔ اگرچہ انتہائی صورتحال کیلئے ریاستی قوانین اور سزائیں موجود ہیں لیکن عوام اور حکمران ان کے ڈر سے نہیں بلکہ حتی الامکان اللہ کے خوف سے شرعی احکامات پر عمل کرتے ہیں۔ یہی وہ بنیاد ہے جو اسلامی ریاست کو دیگر غیر اسلامی ریاستوں اور معاشروں سے ممتاز کرتی ہے اور حکمران اور عوام کی سوچ کو آپس میں ہم آہنگ کر دیتی ہے۔ یقیناً آج کے دور میں ظلم پر مبنی جمہوری حکومتوں اور مغربی مفادات کیلئے مسلمانوں کے مفادات کی بھینٹ چڑھانے والے حکمرانوں کی موجودگی میں یہ گمان کرنا انتہائی مشکل ہے کہ اسلام کا ایک ایسا نظام جو حکمران کے تقویٰ کے بل بوتے پر نافذ ہوتا ہے اور جہاں عمر فاروقؓ جیسا خدا خوفی رکھنے والا خلیفہ بھی اپنے ہی خلاف شکایات سن کر خود ہی مدعی کے حق میں فیصلہ سناتا ہے وہاں اس نظام کو آج دوبارہ چلانے کیلئے ایک اور عمرؓ جیسا

خلیفہ مل جائے، یہ ناممکنات میں سے ہے۔ لیکن قرونِ اواخر کے مسلمانوں کیلئے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث اندھیرے میں اجالے کا پیغام دیتی ہے جب رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے فوراً بعد آنے والی خلافت کے بارے میں فرمایا:

(ثُمّ تكونُ خِلافةً على مِنهاج النبوَّة)

"پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسندِ احمد)

اور اسی حدیثِ مبارکہ میں آپ ﷺ نے ظلم و جبر کے دور کے بعد آنے والی خلافت کے بارے میں بھی یہی فرمایا:

(ثُمّ تكونُ خِلافةً على مِنهاج النُّبُوَّة)

"پھر نبوت کے نقشِ قدم پر (دوبارہ) خلافت قائم ہو گی" (مسندِ احمد)

لہٰذا ان شاءاللہ دوبارہ قائم ہونے والی خلافت بالکل ویسی ہی ہو گی جیسی نبوت کے بعد قائم ہونے والی خلافتِ راشدہ تھی۔ اس آنے والی خلافتِ راشدہ ثانی کی قیادت بھی ایک راشد خلیفہ ہی کرے گا جو اسلام کے مکمل نفاذ، اپنے مثالی تقویٰ اور خوفِ خدا سے وہ ایمانی فضاء قائم کر دے گا جو نہ صرف مسلمانوں کے دلوں سے اس دنیا کی محبت اور موت کا ڈر نکال دے گی بلکہ مغربی جمہوریت کے طاغوتی بت کو بھی، ان شاءاللہ، ہمیشہ کیلئے دفن کر دے گی۔

فہرست

ایغور جبری مشقت کی روک تھام کا ایکٹ: چھاج تو بولے سو بولے چھلنی بھی بولے جِس میں سو سو چھید

فاطمہ مصعب-پاکستان

ایغور مسلمان چین کے ہاتھوں جن خوفناک مظالم کا سامنا کر رہے ہیں وہ اب کوئی خفیہ بات نہیں رہی۔ تشدد، خواتین کو بانجھ کرنا، جبری علیحدگی اور جبری مشقت ان مظالم کی چند مثالیں ہیں۔ جبری مشقت کے حوالے سے امریکا نے ایک قانون "ایغور جبری مشقت کی روک تھام کا ایکٹ" پیش کیا ہے جس کی سینٹ سے منظوری رہتی ہے لیکن یہ قانون ستمبر 2020 میں کانگریس سے 406 ووٹوں کی بھاری اکثریت کے ساتھ منظور ہو چکا ہے۔ جبری مشقت کا قانون امریکی درآمد کنندگان کو کسی بھی ایسی چیز کو سنکیانگ (مشرقی ترکستان) سے منگوانے سے روکے گا جب تک وہ ایسا ثبوت پیش نہ کر دیں کہ اس کی تیاری میں جبری مشقت کو استعمال نہیں کیا گیا۔ اس سے پہلے امریکی سیاسی میڈیم نے اس معاملے میں امریکی موقف کو بغیر کسی مادی منفعت کے ایک اخلاقی موقف کو طور پر پیش کرنے کی کوشش کی تھی۔ مئی 2020 میں امریکی ایوان نمائندگان کی اسپیکر نینسی پیلوسی نے کہا تھا کہ "اگر تجارتی مفادات کی وجہ سے امریکا چین میں انسانی حقوق کے متعلق بات نہیں کرتا، تو پھر ہم دنیا میں کہیں بھی انسانی حقوق کے حوالے سے بات کرنے کا تمام اخلاقی اختیار کھو دیں گے"۔

یہ سمجھنا بے وقوفی ہے کہ امریکہ کا یہ موقف اس وجہ سے ہے کہ وہ ایغور مسلمانوں کی حالتِ زار کے حوالے پریشان ہے۔ اس قانون کو پیش کرنے کا مقصد صرف اور صرف امریکہ کا اپنا مفاد ہے۔ اس قانون کے ذریعے امریکا چین کو محدود کرنے کی اپنی پالیسی پر بین الاقوامی برادری کی حمایت میں اضافہ کر سکے گا اور چین کو اپنا مدمقابل بننے کے خطرے کو کم سے کم کر سکے گا۔ یقیناً امریکا کی حقیقت ہمیں یہ دکھاتی ہے کہ اس کے اس فیصلے کی بنیاد اخلاقی وجہ نہیں ہے۔ امریکہ کا ہر فیصلہ مفاد پر مبنی ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک سرمایہ دارانہ ریاست ہے جہاں کسی بھی عمل کو کرنے یا نہ کرنے کا پیمانہ مادی منفعت ہوتا ہے۔ سرمایہ داریت استعماریت پر مبنی خارجہ پالیسی دیتی ہے جس میں مادی منفعت انسانی جان کے نقصان سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ امریکہ کا چین پر انگلی اٹھانا ایسے ہی ہے جیسے "چھاج تو بولے سو بولے چھلنی بھی بولے جِس میں سو سو چھید" کیونکہ چین کی طرح خود امریکہ کے اپنے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ مسلم دنیا میں امریکہ کا تاریخی طور پر جو کردار رہا ہے وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ

اس کے فیصلوں کی بنیاد اخلاقی جواز نہیں ہوتے۔ امریکا محض اخلاقی اور انسانی حقوق کی اصطلاحات استعمال کرتا ہے تاکہ وہ اپنے فیصلوں کو قابل قبول بنا سکے۔

امریکا صرف اس وقت جبری مشقت کے خلاف ہے جب وہ اس کے مفاد میں ہو

اس سال، 2020 میں، امریکا نے جبری مشقت کے حوالے سے دو قانون منظور کیے ہیں جن میں عالمی سطح پر سپلائی چینز (Supply Chains) کو نشانہ بنایا ہے۔ تیسرا اور سب سے حالیہ قانون، ایغور جبری مشقت کی روک تھام کا ایکٹ، امریکی ایوان نمائندگان سے تقریباً متفقہ طور پر منظور ہو چکا ہے۔ اگر یہ سینٹ سے بھی منظور ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امریکہ سنکیانگ سے آنے والی ہر چیز کو جبری مشقت سے تیار شدہ سمجھے گا جب تک امریکی 'کسٹم اینڈ بارڈر پروٹیکشن' کا کمشنر یہ نہ کہہ دے کہ ایسا نہیں ہے۔

اگرچہ انسانی حقوق کی تنظیموں نے اس قانون کی حمایت کی ہے لیکن ہم اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ اس قانون سازی کا مقصد صرف چین کو نشانہ بنانا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ جبری مشقت کے حوالے سے چین کے اس خطے، سنکیانگ (مشرقی ترکستان)، پر توجہ دی گئی ہے جس کو چین کی معیشت میں اہمیت حاصل ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ امریکا نے یہ قانون ابھی کیوں پیش کیا؟ اس سے پہلے امریکا نے اپنے تجارتی مفادات کو یقینی بنانے کے لیے ایک ڈھیلی ڈھالی حکمت عملی اپنائی ہوئی تھی۔ امریکی ریویو کمیشن کے مطابق 2014 سے امریکی حکام، "نفاذ کا کمزور ریکارڈ رکھتے ہیں کیونکہ کسی بھی مشتبہ سامان کو امریکا میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ امریکی قانون نافذ کرنے والے اداروں کے پاس پہلے مصدقہ اور براہِ راست معلومات موجود ہوں کہ ان کی تیاری میں قیدی، غلام یا جبری مشقت کو استعمال تو نہیں کیا گیا"۔ پہلے سے ہی امریکی کمپنیوں کا کارٹیل، جس میں ایپل، نائیک اور کوکا کولا شامل ہیں جو ایک عرصے سے دُور دراز علاقوں میں جبری مشقت کا فائدہ اٹھا رہے ہیں، بھرپور طریقے سے اس قانون کے خلاف مہم چلا رہا ہے تاکہ اپنی تجارتی مفادات کا تحفظ کر سکے۔ اگر مسئلہ مادی مفاد کا نہیں بلکہ اخلاقیات کا ہوتا تو امریکا جبری مشقت کے حوالے سے بہت پہلے حرکت میں آتا اور صرف چین کو نشانہ نہ بناتا۔

امریکی اسٹیبلشمنٹ اپنے طرزِ عمل میں اندرونی طور پر ہم آہنگ ہے، یعنی چین مخالف پالیسی کے حوالے سے امریکی سیاسی میڈیم میں ایک اتفاق رائے ہے اور ٹرمپ کے ری پبلکن اور بائیڈن کے ڈیموکریٹس اس حوالے سے ایک ساتھ کام کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ٹرمپ کے دورِ حکومت میں ان قوانین کو آگے بڑھانا باعث حیرت نہ تھا۔ ٹرمپ ایک ایسی

شخصیت کا حامل ہے جس کے متعلق کوئی بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی، یہی وجہ ہے کہ وہ جس طرح براہِ راست چین ٹکرایا ہے کوئی دوسرا روائتی صدر ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ ٹرمپ نے چین سے آنے والی اشیاء پر ڈیوٹیاں عائد کر دیں اور کئی دوسرے اقدامات کے ساتھ چین کی کمپنیوں کے لیے امریکی ٹیکنالوجی خریدنا مشکل بنا دیا۔ آنے والا صدر جو بائیڈن بھی چین کو محدود کرنے کی اسی پالیسی پر چلے گا لیکن زیادہ محتاط انداز میں جیسا کہ اس نے کہا ہے کہ وہ چین کے ساتھ تجارتی جنگ شروع کرنے میں زیادہ محتاط ہو گا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی انتظامیہ چین مخالف پالیسی کی حمایت نہیں کرے گی۔ بائیڈن عوامی سطح پر یہ کہہ چکا ہے "اس بات کو یقینی بنائیں کہ مزدور یونینیں اور ماحولیاتی گروہ کسی بھی تجارتی گفت و شنید میں میز پر ہوں اور چین کی بجائے ریاست ہائے متحدہ کو دوسرے جمہوری جمہوریتوں کے ساتھ دنیا کے تجارتی قوانین طے کرنے کے لئے زور دیں" (نیویارک ٹائمز)۔ چین کی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو اجاگر کرنا امریکا کی تمام سیاسی اشرافیہ کے لیے ایک اسلوب ہے جس کے ذریعے چین کے اثر و رسوخ کو محدود کرنا اور اس کی معیشت کو عدم استحکام کا شکار کرنا مقصود ہے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ دنیا میں امریکا کو جو رتبہ اور برتری اس وقت حاصل ہے وہ برقرار رہے۔

امریکا کیوں سنکیانگ میں جبری مشقت کے مسئلے پر سرگرم ہوا ہے

سنکیانگ بین الاقوامی کارپوریشنز کی سپلائی چین (Supply Chain) کا اہم حصہ ہے۔ یہ علاقہ مختلف قسم کی مصنوعات بناتا ہے اور چین کی کپاس کی صنعت میں مرکزی مقام رکھتا ہے۔ کپاس کی پیداوار اور ٹیکسٹائل کی مصنوعات ابھی بھی چین کی معیشت میں اہم مقام رکھتی ہیں۔ چین کا شمار دنیا میں بڑے پیمانے پر کپاس پیدا کرنے والا ممالک میں ہوتا ہے۔ دنیا میں کپاس کی پیداوار میں چین کا حصہ 20 فیصد ہے۔ کپاس کی پیداوار کے لحاظ سے دوسرا اہم ملک بھارت ہے جس کے بعد امریکا، پاکستان، برازیل، ازبکستان اور ترکی ہیں۔ چین کی کپاس کی پیداوار میں سنکیانگ کا حصہ "84 فیصد ہے" (بی بی سی)۔ چین کپاس کی پیداوار کو بہت بڑے پیمانے پر برآمد کرتا ہے جو اس کی کل ملکی پیداوار (جی ڈی پی) کو بڑھاتا ہے۔ لہٰذا اگر امریکا چین کی معیشت کو نشانہ بنانا چاہتا ہے، جو کہ ٹرمپ کے پچھلے چار سال کے دورِ اقتدار میں کافی کھلم کھلا طور پر کیا گیا، تو سنکیانگ پر توجہ مرکوز کرنا اور اپنی کمپنیوں کو وہاں سے کاروبار کرنے سے روکنا امریکہ کے لیے ایک مناسب حکمت عملی ہے۔

اس قسم کی پابندیاں چین کی برآمدات کو محدود کریں گی اور کمپنیاں اس بات پر مجبور ہو جائیں گی کہ وہ کاروبار کے لیے دوسری جگہ تلاش کریں۔ بھارت ایک متبادل ہے، اور امریکا نے بھارت کی معیشت کو ترقی دینے میں دلچسپی کا ارادہ ظاہر کیا

ہے تاکہ وہ بھارت کو چین اور خطے کے مسلمانوں کے خلاف امریکی پراکسی (proxy) کے طور پر استعمال کر سکے۔ اس کے علاوہ یہ خیال بھی ہے کہ امریکی کمپنیوں کو واپس ملک آنے پر مجبور کیا جائے جس کے نتیجے میں امریکا کی بیٹھتی ہوئی معیشت کو استحکام دینے میں مدد ملے گی۔ یہ بات اہم ہے کیونکہ محنت کشوں کی کنسورشیم کے مطابق "امریکا میں فروخت ہونے والے ہر 5 میں سے 1 کا ٹن گارمنٹ کا تعلق ایغور علاقے (سنکیانگ) سے ہوتا ہے"۔ جس قسم کے مادی فوائد امریکا کو حاصل ہو سکتے ہیں اس سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ کیوں ڈیموکریٹ اور ری پبلیکن دونوں اپنے اندرونی اختلافات کو ایک جانب رکھ کر اس معاملے پر ایک ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔

وہ کہتے ہیں یہی ایک واحد حل ہے۔ ایسا نہیں ہے:

ان خبروں کی موجودگی میں کہ نائیک جیسی بے ایمان کمپنیاں اس قانون کی منظوری کے خلاف لابنگ کر رہی ہیں، انسانی حقوق کے نمائندے آگے آرہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ خطے میں جبری مشقت روکنے کا یہی واحد حل ہے۔ پیٹر اروین، (Peter Irwin) جو کہ ایغور انسانی حقوق کے پراجیکٹ کے سنیئر پروگرام آفیسر ہیں، نے بزنس انسائیڈر (Business Insider) کو بتایا کہ کوکا کولا کا موقف ظاہر کرتا ہے کہ "ان کو اندازہ نہیں ہے کہ کس مؤثر طریقے سے ایغور خطے سے منسلک جبری مشقت کو اکھاڑ پھینکا جائے۔ ایغور خطے کو مکمل طور پر ترک کر دینا ہی قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اس بات کا واحد موثر طریقہ ہے"۔ حقوق کی تنظیمیں یہ دعوی کرتی ہیں کہ جب تک اہم کمپنیاں سنکیانگ کے کارخانوں اور سپلائی چینز سے تمام تعلقات ختم نہیں کر لیتے، انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں جاری رہیں گی۔

یہ واضح ہے کہ اس قانون کے ذریعے امریکا فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، لیکن اس بات کو ایک جانب رکھتے ہوئے ہم اس کے دعویٰ کو دیکھتے ہیں۔ کیا چین میں ہونے والے مظالم ختم ہونے چاہئیں؟ یقیناً ہونے چاہئیں۔ کیا امریکا اور اس کی جانب سے منظور ہونے والے جبری مشقت کے خلاف قانون کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف مظالم ختم ہوں؟ نہیں ایسا نہیں ہے۔ امریکا، چین اور دیگر تمام استعماری طاقتیں مسلمانوں پر مظالم ڈھانے کے حوالے سے مجرم ہیں۔ فرق صرف ان مظالم کی سطح کا ہے یا کسی خاص وقت میں کس معاملے کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ یہی واحد حل ہے، لیکن ایسا ایک خاص حد تک ہے۔ ایک جانب امریکا چین میں جبری مشقت کے مسئلے کو نشانہ بنا رہا ہے لیکن دوسری جانب چین کو دنیا کے دیگر ممالک کے ساتھ زبردست معاشی اور سیاسی تعلقات برقرار رکھنے کی

اجازت دی گئی ہے۔ امریکا مستقبل میں چین کے ساتھ تعلقات میں بہتری کے امکان پر بھی بات کر رہا ہے۔ اگر یہ ایک اخلاقی معاملہ ہے، تو ایک خوفناک واقع پر فوری جواب دینا ضروری ہوتا ہے، تو کہاں ہے ایک فیصلہ کن جواب؟ کیوں اب بھی چین امریکی معیشت کو کھڑا رکھنے کے لیے اس کے قرضے خرید رہا ہے اور اس نے ڈالر کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بھی سنبھال رکھا ہے؟ چین اب بھی کیوں عالمی تجارتی تنظیم (ڈبلیو ٹی او) کا حصہ ہے؟ ہمیں حیران نہیں ہونا چاہیے۔ چوروں کے درمیان بھی کوئی عزت اور شرم وحیا ہوتی ہے۔ لیکن جہاں تک امریکا کا تعلق ہے تو اس کی تاریخ انسانوں کے خلاف مظالم سے بھری پڑی ہے۔ امریکا کے اندر امریکی اسٹبلیشمنٹ نے ریڈ انڈین امریکیوں اور افریقی امریکیوں کے خلاف موت اور غلامی کی مہم چلائی۔ امریکا سے باہر، امریکا نے عراق میں خوفناک جنگ شروع کی تھی، اور بغیر کسی احساسِ جرم کے حال ہی میں ان پرائیوٹ ملٹری کنٹریکٹرز کو معافی دے دی جنہوں نے عراقی، مرد، عورتوں اور بچوں کا قتلِ عام کیا تھا۔ امریکا نے افغانستان میں اتنے ڈرون حملے کیے کہ افغان بچے تک جان گئے ہیں کہ صاف آسمان ڈرون حملوں کے لیے سازگار ترین موقع ہوتا ہے۔ امریکا مسلمانوں پر حملے کرتا ہے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے میں معاونت فراہم کرتا ہے جس کا واضح ثبوت اس کی جانب سے یہودی ریاست اور ہندو ریاست کی حمایت ہے۔

مسلمان استعماری طاقتوں کے درمیان ہونے والے ٹکراؤ کو ایک تماشائی کے طور پر نہیں دیکھ سکتے۔ جب تک ہم مسلم دنیا میں حکمرانی کے نظام کو تبدیل کر کے اس کی جگہ اپنے اجتماعی امور کو وحی کی بنیاد پر حل کرنے والے نظام کو نہیں لاتے، تو ہمارے لیے کچھ بھی تبدیل نہیں ہوگا اس بات سے قطع نظر کہ استعماری طاقتوں کی آپس کی پنجہ آزمائی میں کون جیتتا ہے۔ صرف اسلامی ریاست کے زیر سایہ ہی ہم معاشی فوائد ایک طرف رکھ کر مسلمانوں کے تحفظ کو یقینی بنا سکیں گے۔ لیکن موجودہ حکمران ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ ایک جانب یہ بات چل رہی ہیں کہ چین سی پیک سے پیچھے ہٹ رہا ہے لیکن پاکستان کے حکمران چین سے اتحاد کو برقرار رکھے ہوئے ہیں اور مقبوضہ مشرقی ترکستان میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم پر انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے، **إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنْ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُوْلَئِكَ هُمْ الظَّالِمُونَ "اللہ ان ہی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کی وجہ سے لڑائی کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی۔ تو جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں"** (الممتحنہ، 60:9)۔

پاکستان کے حکمرانوں نے معاشی فوائد کے لیے اسلام کے خلاف چین کی جنگ کی مذمت کرنے سے انکار کر دیا ہے اگرچہ ان معاہدوں نے پاکستان کو مزید قرض کی دلدل میں ڈبو دیا ہے اور اس کی خود مختاری متاثر ہوئی ہے۔ایک ایسے وقت میں جب پاکستان کے بجٹ کا بڑا حصہ سود کی ادائیگیوں پر خرچ ہو رہا ہے، مئی 2019 میں پی ٹی آئی کی حکومت نے بالآخر یہ بات واضح کر دی کہ دس ماہ کے دوران 8.6 ارب ڈالر کے مجموعی قرضوں میں سے 6.5 ارب ڈالر چینیوں کا قرض ہے، جس میں چینی ڈویلپمنٹ بینک کا 2.2 ارب ڈالر کا زیادہ سود پر تجارتی قرض بھی شامل ہے۔اس کے علاوہ ایک جانب ظالم چینیوں کے ہاتھ مضبوط کیے جا رہے ہیں تو دوسری جانب ان قرضوں کی نتیجے میں پاکستان کی خود مختاری کو بھی ذلت آمیز طریقے سے متاثر کرنے کی راہ پر ڈال دیا گیا ہے جیسے سری لنکا کی خود مختاری متاثر ہوئی تھی جسے پہلے قرض کی دلدل میں پھنسایا گیا اور پھر اسے اپنی خود مختاری پر مصالحت کرنے پر مجبور کیا گیا کہ اب چائنا مرچنٹلا پورٹس سری لنکا کی انتہائی اہم "ہم بن ٹوٹا" بندرگاہ Hambantota Port کے 70 فیصد کی مالک بن گئی ہے۔ یہی وقت ہے کہ اسلامی خلافت قائم کی جائے۔ دوسری استعماری طاقتوں کے ساتھ چین کو بھی ایک جارح ملک تصور کیا جائے گا جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں ملوث ہے۔

فہرست

افراطِ زر، اس کی حقیقت اور اسلامی تناظر سے اس کا حل

فخر زمان-پاکستان

موجودہ حکومت کے دو سالہ دور میں پاکستان میں مہنگائی میں بے پناہ اضافہ واقع ہوا۔ معاملے کو مزید تکلیف دہ بنانے والا امر یہ ہے کہ ان آسمان کو چھوتی قیمتوں کی فہرست میں اشیاء خورد و نوش سر فہرست ہیں، جن میں مستقل اضافے سے اگرچہ معاشرے کے امیر طبقوں پر اتنا اثر نہیں پڑتا کہ جتنا غریبوں پر پڑتا ہے، کیونکہ اشیاء خورد و نوش کی کھپت امیروں کے ماہانہ گھریلو اخراجات کا نسبتاً چھوٹا حصہ ہوتا ہے، جبکہ یہ غرباء کے ماہانہ اخراجات کا تقریباً نصف حصہ ہوتا ہے۔ یہاں اہم بات یہ ہے کہ افراطِ زر ایک ایسا ٹیکس ہے جو کرنسی کی قوتِ خرید کو ختم کرتا جاتا ہے۔ اس طرح غریب، جو اپنا زیادہ تر اثاثہ نقد رقم کی صورت میں اپنے پاس رکھتے ہیں، اپنے اوپر اس ٹیکس کو امیروں کے مقابلے میں غیر متناسب طور پر برداشت کرتے ہیں، جبکہ اس کے برعکس مالدار ایسے اثاثے رکھنے کی بنا پر کہ جن کی قدر میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھوتری متوقع ہوتی ہے، اس صورتحال سے بچ سکتے ہیں، جیسے کہ بانڈز، زمین یا کسی مستحکم غیر ملکی کرنسی جیسے کہ ڈالر میں سرمایہ کاری۔ اسی طرح افراطِ زر کمپنیوں کے ساتھ بھی ایک جیسا سلوک نہیں کرتا اور مہنگائی کے اثرات مختلف صنعتوں اور کمپنیوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس سے ان کی مسابقتی پوزیشنیں مارکیٹ میں تبدیل ہو سکتی ہیں، اور یہ امر ان کی کاروباری منصوبہ بندیوں کو متاثر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ افراطِ زر معیشت میں غیر یقینی کی صورتحال کو بھی جنم دیتا ہے۔ مستقبل کے بارے میں اسی غیر یقینی صورتحال کی وجہ سے افراطِ زر ان منصوبوں میں سرمایہ کاری کی بھی حوصلہ شکنی کرتا ہے کہ جن کی بدولت معیشت کی پیداواری صلاحیت کو بڑھایا جا سکتا ہے، جس کی وجہ سے کاروبار یا تو ایسی سرمایہ کاری پر توجہ دینا شروع کر دیتے ہیں کہ جس سے فوری منافع حاصل ہو یا پھر غیر ملکی کرنسی میں لین دین کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ افراطِ زر نے پاکستان میں قومی کرنسی کی قدر اور اس کی حیثیت پر سے اعتماد کو ختم کر دیا ہے تو یہ اس بات سے ظاہر ہے کہ 1970ء کی دہائی کے وسط تک پاکستانی روپے نے 1956ء کے مقابلے میں اپنی قوتِ خرید کا تقریباً آدھا حصہ کھو دیا تھا۔ 1990 کی دہائی کے اوائل تک اس کی قدر میں 90 فیصد کمی ہو چکی تھی، جبکہ آج کی تاریخ تک اس میں 200 فیصد تک کمی ہو چکی ہے، جبکہ ترکی، مصر اور مراکش کی کرنسی کی قدر میں واقع ہونے والی ڈرامائی کمی اس سے بھی زیادہ ہے۔

افراطِ زر عصر حاضر میں کئی ممالک کے لیے انتہائی اہم معاشی مسائل میں سے ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد تقریباً ہر ملک میں لوگوں کو مہنگائی کی اذیت سے گزرنا پڑھ رہا ہے۔ قیمتوں میں سالہاسال اس تسلسل سے اضافہ ہو رہا ہے کہ ان میں کسی تسلسل سے کمی ہونے کا امکان نظر نہیں آتا۔

افراط زر کی وضاحت ایسے کی جاتی ہے کہ یہ دراصل قیمتوں کی اوسط سطح میں ایک عام اور مستقل اضافہ ہے، جسے قیمتوں کی شرح میں تبدیلی کے ذریعہ ناپا جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں کرنسی کی قوت خرید مسلسل گرتی جاتی ہے۔ یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ افراطِ زر کے علاوہ اور وجوہات کی بناپر بھی کچھ اشیاء اور خدمات کی قیمتوں میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا قیمتوں میں اضافے کے اِکاُدکا واقعات افراطِ زر کا ماحول نہیں بناتے، بلکہ کسی بھی مہنگائی کے افراطِ زر ہونے کے لیے مصنوعات کی متعدد اقسام کی قیمتوں میں اضافہ ضروری ہے۔ لہٰذا سادہ لفظوں میں قیمتوں کی سطح معیشت میں تمام اشیاء اور خدمات کی قیمتوں کی اوسط کا نام ہے۔ مہنگائی اور قیمتوں کی سطح کے مابین تعلق ایک طرح سے سرمایہ کاری اور سرمائے کے سٹاک کے مابین تعلق جیسا ہے۔ سرمایہ کاری سرمائے کے سٹاک میں تبدیلی ہے، اور افراط زر قیمت کی سطح میں تبدیلی ہے۔ کوئی بھی معیشت جس میں پیسے کو قیمتوں کے تعین کے لیے زرمبادلہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، میں قیمتیں مانیٹری یونٹس میں بتائی جاتی ہیں۔ یعنی پوری معیشت کے معاملے میں پیسہ اس وجہ سے بھی اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ دراصل اسی کو ہی بروئے کار لاتے ہوئے معیشت میں سامان، خدمات اور وسائل کا تبادلہ کیا جاتا ہے۔ یعنی اگر پیسہ اپنی شکل میں موجود نہ ہو تو معیشت میں سامان، خدمات یا وسائل کا تبادلہ دوسرے سامان، خدمات یا وسائل کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے، جو یقینی طور پر معیشت کے روزمرہ کے امور میں خلل ڈالتا ہے۔ اس طرح پیسہ معیشت کے پہیے کے چلنے کے لیے راہ ہموار کرنے کا کام کرتا ہے۔ اگر معیشت میں مناسب طور پر پیسہ دستیاب نہیں ہے تو معیشت سست ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ تاہم اس کے برعکس اگر بہت زیادہ رقم دستیاب ہو جائے، تو معیشت میں افراطِ زر اشیاء کی قیمتوں پر دباؤ ڈالتا ہے۔

افراطِ زر کے بارے میں ہم اپنا مطالعہ دو بنیادی سوالوں کے جواب سے شروع کرتے ہیں۔ اول، ہم رقم بنیادی طور پر کس کے لئے استعمال کرتے ہیں؟ دوم، وہ رقم گردش میں کیسے لائی جاتی ہے؟ قدیم زمانے سے ہی ہم دو قسم کے پیسوں کا استعمال کرتے رہے ہیں۔ اجناس بذاتِ خود رقم کے طور پر اور اجناس کی backing کے بغیر پیسہ یعنی Fiat Money۔ آیئے ہر ایک پر نظر ڈالتے ہیں۔ اجناسی کرنسی وہ پیسہ ہے جس کی استعمال کے لحاظ سے قدر value in use ہوتی ہے اور اس کی تبادلہ

کے طور پر بھی قدر value of exchange ہوتی ہے۔ گندم، جَو، کھجور، نمک، سگریٹ، قیمتی دھاتیں اور جواہرات سب کچھ اجناسی کرنسی کی مثال ہیں۔ یعنی کہ ان تمام مثالوں میں یہ اجناس تبادلہ کی سہولت کے لئے بھی استعمال کی جاسکتی ہیں اور انہیں بطورِ اجناس بذاتِ خود صارفین کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہ سب کسی کسی نہ کسی دَور میں زرمبادلہ کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہیں۔ دوسری بنیادی قسم کی رقم Fiat Money ہے۔ فیاٹ منی وہ پیسہ ہے جس کی زرمبادلہ کے طور پر قدر (ویلیو) ہوتی ہے لیکن استعمال کے لحاظ سے اس کی قدر نہ ہونے کے برابر یا پھر بالکل بھی قدر نہیں ہوتی۔ دورِ حاضر میں حکومتوں کے ذریعہ جاری کردہ کرنسی اور سکے فیاٹ منی ہی ہوتے ہے۔ ان جاری کردہ کرنسیوں کی بطور اجناس قیمت نہ ہونے کے برابر ہے۔ مثال کے طور پر 500 روپے کے نوٹ میں تقریباً اتنا ہی اور اسی کوالٹی کا کاغذ ہوتا ہے جو کہ 100 روپے کے نوٹ میں ہوتا ہے۔ جس سے کُلی طور پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کاغذی کرنسی کی عام استعمال میں یا عملی طور پر کوئی قدر وافادیت نہیں۔ بیشتر سکوں کے لئے بھی یہی بات ہے۔ عام دھاتیں جیسے کہ تانبے اور نِکل سے اس وقت سکے بنائے جاتے ہیں جب ان کی زرمبادلہ کے طور پر قدر ان کی اجناس کے طور پر قدر سے کم ہوتی ہے۔ فیاٹ منی کا استعمال دراصل اس سطحی سی دلیل کی بنیاد پر کیا جاتا ہے کہ جب تک معاشرے میں عام طور پر اسے زرمبادلہ کے طور پر قبول کیا جاتا رہے گا تب تک اس کرنسی کی بذاتِ خود ایک مناسب قیمت مقرر رہے گی۔ فیاٹ کرنسی ایک حکومت کی طرف سے جاری کردہ کرنسی ہے جسے سونے یا چاندی جیسی قابلِ محسوس شے کی backing حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اسے صرف اس حکومت کی حمایت حاصل ہوتی ہے جس نے اسے جاری کیا ہے۔ فیاٹ منی کی قیمت اس کی طلب و رسد اور اس کا اجراء کرنے والی حکومت کے معاشی اور سیاسی استحکام یعنی عوامی اعتماد کی بنیاد پر ہوتی ہے، بجائے یہ کہ اجناس کی مالیت کی بنیاد پر اس کی قدر ہو۔ لہٰذا فیاٹ پیسہ خود سے اپنی قدر (ویلیو) نہیں رکھتا، جبکہ اجناس کی اپنی اندرونی قدر ہوتی ہے۔ فیاٹ کرنسی میں افراطِ زر کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے کیونکہ اس کی اپنی کوئی اندرونی قیمت نہیں ہوتی۔ مزید یہ کہ اس کرنسی کے عوام کے اعتماد پر منحصر ہونے کی وجہ سے ہارڈ یعنی سخت اور سافٹ یعنی نرم کرنسی کی تقسیم شروع ہوئی۔ امریکی ڈالر، یوروپی یورو، جاپانی ین، برٹش پاؤنڈ، سوئس فرانک، کینیڈین ڈالر اور آسٹریلیائی ڈالر وہ کرنسیاں ہیں کہ جن میں دنیا میں سب سے زیادہ کاروبار کیا جاتا ہے اور یہ ہارڈ کرنسی کے زمرے میں آتی ہیں۔ ان تمام کرنسیوں پر بین الاقوامی سرمایہ کاروں اور کاروباری اداروں کا اعتماد ہے اور یہ عام طور پر اپنی قدر میں ڈرامائی کمی یا زیادتی کا شکار نہیں ہوتیں۔ ترقی پذیر ممالک کی کرنسیوں کو سافٹ کرنسی سمجھا جاتا ہے۔ فطری طور پر سافٹ کرنسیاں زیادہ اتار چڑھاؤ میں مبتلا ہوتی ہیں اور قدر میں کمی کا شکار ہوتی رہتی ہیں۔ ایک کمزور ہوتی ہوئی کرنسی درآمدات کی لاگت میں اضافہ کرتی ہے، جس

میں زیادہ تر درآمدات صنعتی ساز و سامان پر مشتمل ہوتی ہیں، اور جس کی بنا پر آخر کار پیداواری لاگت میں اضافہ ہوتا ہے، اور جس سے تیار شدہ سامان مہنگا ہو جاتا ہے، اور پھر اشیاء کی قیمتوں کی بنیاد پر افراط زر میں اضافہ ہوتا ہے۔ اب اس معاملے میں حکومت تھوڑی دیر کے لئے اپنی کرنسی کی "قدر میں کمی" کر کے، غیر ملکی خریداروں کے لئے ساز و سامان اور خدمات کو سستا بنا کر، برآمدات کو ضرور کچھ ترغیب دے سکتی ہے، لیکن ایسا پیداور اور معیار میں بہتری یا مسابقتی قیمتوں میں کسی کمی competitive pricing کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ تاہم ہر ایک ڈالر کے مقابلے میں زیادہ کمائے گئے روپے کی وجہ سے بھی مارکیٹ میں قیمتیں بڑھنا شروع ہو جاتی ہیں۔ اس سے ملک کو غیر ملکی تجارت میں اپنے لیے منفی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یعنی بیرونِ ملک سے مہنگا سامان خریدنا اور پھر سستی قیمت پر فروخت کرنا۔ اس کے نتیجے میں ایک معیشت جو کہ پہلے ہی وسائل کی کمی کا شکار ہوتی ہے، اس کے وسائل بیرون ملک منتقل ہونا شروع ہو جاتے ہیں

اب آیئے دوسرے سوال کی طرف کہ اس رقم کو گردش میں کیسے لایا جاتا ہے؟ سینٹرل بینک اوپن مارکیٹ آپریشن اور حکومتی یا دوسری قسم کی سیکیورٹیز خرید کر پیسہ 'تخلیق' کرتے ہیں (یعنی رقم کی فراہمی میں اضافہ کرتے ہیں)، یہ خریداری ایسے پیسے کے ذریعے کی جاتی ہے کہ جو انہوں نے کمایا نہیں ہوتا بلکہ انہیں یہ اجازت ہوتی ہے کہ وہ اس پیسے کو 'نئے سرے سے' وجود میں لے آئیں۔ یہ پیسہ سینٹرل بینک Bureau of Printing and Engraving سے پیداواری لاگت پر (یعنی ایک ڈالر کے لئے چار سینٹ سے بھی کم قیمت پر) خرید کر حاصل کرتا ہے۔ اس کے بعد سینٹرل بینک اس کرنسی کا اجراء کرتا ہے اور مارکیٹ میں کرنسی نوٹ کی ویلیو اور اس کی پیداواری لاگت کے فرق کے لحاظ سے منافع کماتا ہے (یہ لاگت فی نوٹ چار سینٹ سے کم ہوتی ہے، خواہ یہ نوٹ کوئی بھی ہو)۔ اور یوں بینک کے پیسے کے مجموعی ذخائر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اب جب اوپن مارکیٹ آپریشنز کے ذریعہ مرکزی بینک سیکیورٹیز "خرید" کر نئے نام نہاد "ذخائر" تخلیق کر لیتا ہے، تو یوں نجی تجارتی بینکوں کے جزوی ذخائر یعنی Fractional Reserves میں توسیع ہوتی ہے، اور اس طرح نجی قرضہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مرکزی بینک ذخائر کی ضرورت کو کم کر کے بھی رقم کی فراہمی میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ پیسہ جو بینکاری نظام مجموعی طور پر تخلیق کر سکتا ہے اس کا تعین ذخائر کی ضرورت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ مرکزی بینک سود کے لیے ڈسکاؤنٹ ریٹ بھی طے کرتے ہیں، اس شرح کو کم کرنے سے قرض کی طلب میں اضافہ ہوتا ہے اور اس طرح رقم کی فراہمی ہوتی ہے۔ رقم یا قرض بنانے کے سلسلے کا پہلا درجہ مرکزی بینک سے شروع ہوتا ہے اور دوسرا درجہ تجارتی بینکوں میں ہوتا ہے۔ تجارتی بینکوں کو

مرکزی بینک سے "ذخائر" ملتے ہیں کہ جس سے وہ قرضہ تخلیق کرتے ہیں۔ یوں تجارتی بینکوں کا یہ پیسہ بطور قرض بن کر سامنے آتا ہے۔ یعنی ان دونوں صورتوں میں پیسہ بنانے کے لیے پہلے اس کے لیے نیا قرض بنانا ضروری ہے۔ جب تک کہ کافی ساری رقم نئے قرض کی صورت میں پیدا نہ کی جائے، نظام میں سود اور اصل رقم کی ادائیگی کے لئے اتنی رقم موجود نہیں ہوتی کہ پرانے واجب الادا قرض کی واپسی کی جاسکے۔ اسی طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتے ہوئے قرض کی ادائیگی کے لیے زیادہ سے زیادہ رقم کو بطور قرض تخلیق کرنا ہوتا ہے۔ سود پر مبنی قرضوں کے طور پر رقم کی تخلیق قرضوں میں تیزی سے توسیع پیدا ہے۔ چونکہ جمع ہونے والے سود کی وجہ سے قرض تیزی سے بڑھتا جاتا ہے، اس لیے صرف قرض کے سود کی ادائیگی کے لیے زیادہ سے زیادہ رقم پیدا کرنا پڑتی ہے، جو کہ دوگنی تگنی رفتار سے بڑھ رہا ہوتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، سود کے اخراجات ادا کرنے کے لئے قیمتوں میں اضافہ ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا معیشت کی توسیع کے مرحلے میں افراطِ زر کا ہونا لازمی ہے۔ اگرچہ معیشت پر سے افراط زر کے دباؤ کو دور کرنے کے لئے مرکزی بینک سیکیورٹیز بیچ کر رقم کی فراہمی کو کم کر سکتے ہیں، ذخائر کی ضروریات کو بڑھا سکتے ہیں اور شرح سود میں بھی اضافہ کر سکتے ہیں، لیکن اس کے نتیجے میں معیشت سست ہونا شروع ہو جاتی ہے اور بے روزگاری بڑھ جاتی ہے۔ مرکزی بینک مؤثر طریقے سے ملک میں رقم کی فراہمی اور سود کی شرحوں کو کنٹرول کرتا ہے، اور اس طرح پوری معیشت پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ سنٹرل بینکوں کے فیاٹ کرنسی تخلیق کرنے اور اپنے پاس موجود رقم سے زیادہ قرضے جاری کرنے والی بینکنگ Fractional Reserve Banking ہی درحقیقت جدید دور کی افراط زر کی سب سے اہم وجوہات ہیں۔ یعنی دور حاضر میں مہنگائی کے اصل ذمہ دار مرکزی بینک ہیں۔ چونکہ مرکزی بینک حکومتوں کے ذریعہ تشکیل پاتے ہیں اور چونکہ ان کو اختیارات بھی حکومتوں کی طرف سے ہی عطا کردہ ہوتے ہیں، لہٰذا افراط زر کی اصل مجرم حکومتیں ہی ہیں۔ اس طرح جدید باطل معیشت میں افراطِ زر دراصل معاشی سے بڑھ کر ایک سیاسی مسئلہ ہے۔

یہ ایک بڑا سیاسی مسئلہ ہے کہ حکومت کا حجم اور طاقت کا انحصار اس چیز پر ہے کہ وہ ایک مرکزی بینک قائم کرے کہ جو اس کے مالیاتی امور کی دیکھ بھال کرے۔ یہ معاملہ خاص طور پر کھل کر سامنے آتا ہے جب ایک حکومت اپنے لیے بڑے پیمانے پر ادھار کی ضروریات کو براہِ راست مرکزی بینک کے ذریعے پورا کرتی ہے۔ ایک حکومت مقامی طور پر اپنے لیے سود پر قرض عوام سے، بینک سے، غیر بینک سے، اور مرکزی بینک سے لیتی ہے۔ مزید برآں، جب بینک سرکاری قرض حاصل کرتے ہیں تو سرکاری قرض لینے سے بینک کے ذخائر پر اضافی دباؤ پڑتا ہے اور بینک مرکزی بینک سے مزید ذخائر لینے کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

جب بینکوں کی اس طرح کی اضافی مانگ کا مطالبہ پورا کیا جاتا ہے اور مرکزی بینک بینکوں کو اضافی ذخائر مہیا کرتا ہے، تو حقیقت میں Monetary Base بڑھ جاتی ہے، یعنی جمع کی گئی رقوم کی بڑھوتری کے ذریعے معیشت میں رقم کی رسد میں اضافہ ہوتا ہے، اور مہنگائی کو مزید ہوا ملتی ہے۔ اسی طرح حکومت جب اپنے عوام دوست بجٹ کی مالی اعانت کے لئے مرکزی بینک سے قرضہ لیتی ہے تو تب بھی افراط زر میں اضافہ ہوتا ہے۔ حالیہ برسوں میں پاکستان میں حکومتوں نے مرکزی بینک سے بھاری قرض لے کر اپنے بجٹوں کو سہارا دیا ہے، جسے معیشت کی زبان میں "Monetizing" کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ طریقہ ہمیشہ مانیٹری بیس کی بڑھوتری، پیسے کی فراہمی اور بالآخر افراط زر کی نشوونما کا باعث ہوتا ہے، اس لئے اکثر اسے محض "رقم چھاپنا" کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک عارضی بجٹ خسارے کے بجائے مستقل بجٹ کا خسارہ، جو کہ عوام سے قرض لینے کے بجائے رقم کی پرنٹنگ کے ذریعے پورا کیا جائے، کا نتیجہ مستقل افراط زر کی شکل میں نکلتا ہے۔ 2008 کے بعد سے، پاکستان کی حکومت کے بجٹ کا اوسط خسارہ جی ڈی پی کے 6 فیصد کے لگ بھگ رہا ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی آخری اتحادی حکومت نے اپنے پانچ سالہ دور حکومت میں بجٹ خسارے کی مالی اعانت کے لیے بڑی مقدار میں کرنسی نوٹ چھاپ کر مرکزی بینک سے قرض لینے کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے۔ سابقہ پی پی پی اور اس کے بعد نگراں حکومت نے مالی خسارے کو پورا کرنے کے لئے 700 ارب روپے کی رقم چھاپی تھی، جس کے نتیجے میں افراطِ زر اکائی سے دہائی کے ہندسوں میں چلا گیا۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان (ترمیمی) بل 2012، مارچ 2012 میں منظور ہونے کے باوجود قرضہ لینے کی روش جاری ہے۔ اس بل سے اسٹیٹ بینک کے مرکزی بورڈ کی طاقت کو تقویت ملی اور وفاقی حکومت کے قرض لینے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ قومی اسمبلی کے ذریعہ منظور کردہ اسٹیٹ بینک (ترمیمی) بل نے اسٹیٹ بینک آف پاکستان کو اختیار دیا تھا کہ وہ مقررہ حدود سے تجاوز کرنے والے اور بالواسطہ قرضے نہ دیں۔ تاہم مسلم لیگ (ن) کے سینیٹر اسحاق ڈار اور وزیر خزانہ ڈاکٹر عبدالحفیظ شیخ کے اعتراضات کی وجہ سے اس شق کو منظور شدہ مسودہ سے خارج کر دیا گیا تھا۔ مسلم لیگ ن کی حکومت نے اسٹیٹ بینک سے 400 ارب روپے سے زیادہ قرض لیا۔ مسلم لیگ (ن) کی حکومت نے 1997ء میں اسٹیٹ بینک کے سرکاری بینک سے قرض لینے کی گنجائش کا تعین کرنے کے لئے قانون سازی کی تھی اور اس نے مالیاتی وجوہات کی بنا پر، اسٹیٹ بینک کی طرف سے مقررہ کردہ سطح تک، نجی بینکاری نظام سے حکومتی قرض لینے کی حدود پر عمل کرنے پر اتفاق کیا تھا۔ ان وعدوں کی خلاف ورزی کا آغاز مشرف حکومت نے اسٹیٹ بینک سے قرض لینے سے کیا تھا۔ یہ عمل پی پی پی کی زیر قیادت حکومت کے دور میں چلتا رہا، یوں وزارت خزانہ کے لئے مرکزی بینک اور تجارتی بینکوں سے اپنی مرضی کے مطابق نوٹ پرنٹنگ اور قرض لینے میں آسانی پیدا ہو گئی۔ مسلم لیگ (ن) حکومت

کے تیسرے دور میں اسٹیٹ بینک سے قرض لینے کے عمل میں اضافہ ہوتا رہا، اور تبدیلی کا نعرہ لگانے والی پی ٹی آئی حکومت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ حالیہ حکومت نے اپنے پہلے ہی سال میں اسٹیٹ بینک سے 2.6 گنا زیادہ قرضہ لیا۔ حالیہ برسوں میں پاکستان میں نوٹوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ 30 جون 2020 کو ختم ہونے والے مالی سال میں نوٹوں کی گردش میں گذشتہ آٹھ سالوں میں سب سے زیادہ اضافہ ہوا۔ یعنی صرف اس ایک مالی سال میں نوٹوں کی تعداد میں 1.1 ٹریلین کا اضافہ ہوا ہے۔ اس سلسلے میں مشہور ماہر معاشیات ڈاکٹر قیصر بنگالی نے کہا کہ کرنسی کی گردش میں بہت زیادہ اضافہ اس بات کی علامت ہے کہ نئی کرنسی کی ایک بڑی رقم چھاپی گئی ہے۔ اگرچہ پی ٹی آئی کی حکومت نے آئی ایم ایف کے سامنے اسٹیٹ بینک سے مزید قرض نہ لینے پر اتفاق کیا ہے، لیکن کرنسی کی گردش میں بے پناہ اضافے سے یہ اندازہ لگایا جارہا ہے کہ اس کے ذریعے بجٹ کے خسارے کو پورا کیا جائے گا اور حکومت اوپن مارکیٹ آپریشن کے ذریعہ کمرشل بینکوں سے رقم اکٹھا کرے گی۔

فیاٹ کرنسی کی ناقص ترسیل کے عمل کا ایک اور پہلو بھی افراطِ زر کی افزائش کرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ پیسے کی فراہمی میں اضافے کو جی ڈی پی کی نمو سے کم از کم 2٪ زیادہ رکھا جاتا ہے۔ گویا دورِ جدید کی فاسد معیشت میں تھوڑا بہت افراطِ زر ہونا ناگزیر ہے۔ سالانہ لگ بھگ قیمتوں میں دو فیصد کے مستقل اضافے کو رینگتا افراطِ زر Creeping Inflation کہا جاتا ہے۔ رینگتی ہوئی مہنگائی پہلے چلنے والی مہنگائی میں تبدیل ہوتی ہے اور اس کے بعد بھاگنے کے مرحلے میں اور اس کے بعد سرپٹ دوڑنے کے مرحلے میں، جو کہ آخر کار مالیاتی نظام کے انہدام اور معاشرے کی معاشی زندگی کے تہہ و بالا ہونے پر منتج ہوتی ہے۔ چلنے اور بھاگنے والا افراطِ زر رینگتے ہوئے افراطِ زر سے چیزوں کی قیمتوں میں اضافے کے شرح کے لحاظ سے مختلف ہے۔ رینگتے افراطِ زر کے مقابلے میں چلتے افراط زر میں اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ زیادہ تیز ہوتا ہے جو کہ دوڑتے افراطِ زر اور ہائپر انفلیشن Hyperinflation کے خطرہ کا پیش خیمہ بھی ہو سکتا ہے۔ ہائپر انفلیشن میں قیمتیں ہر مہینے یا اس سے بھی تیزی سے ہر دن بڑھتی ہیں۔ رینگتے افراطِ زر میں اشیاء کی عام قیمتوں میں دوگنا اضافہ ہونے میں تین دہائیاں لگ سکتی ہیں، جبکہ چلنے، بھاگنے اور سرپٹ دوڑنے یعنی ہائپر انفلیشن میں اشیاء کی قیمتوں میں بالترتیب ایک دہائی، تین سال اور صرف تین ماہ میں ایک جیسا اضافہ ہوتا ہے۔ رینگتے افراطِ زر میں اشیاء کی عام قیمتوں کی سطح میں تقریباً آٹھ سالوں میں دس فیصد تک کا اضافہ ہوتا ہے، جبکہ چلتے افراطِ زر میں یہ اضافہ ایک دہائی میں 30 فیصد تک ہے، جبکہ بھاگنے والے افراطِ زر میں صرف تین سال میں پچیس فیصد کا اضافہ ریکارڈ کیا جاتا ہے اور ہائپر انفلیشن کی صورت میں اس اضافے کی کوئی حد نہیں۔

غذائی افراط زر یا حساس قیمت والا افراطِ زر اس مسئلے کا ایک اور پہلو ہے جو مالی طور پر کمزور لاکھوں افراد کو تکالیف اور پریشانیوں میں مبتلا کرتا ہے۔ اگست 2019ء سے پاکستان میں غذائی افراطِ زر مستقل دوہرے ہندسوں میں ہے۔ حساس کھانے کی اشیاء جیسے گندم کا آٹا اور چینی کے معاملے میں پچھلے دو سالوں میں قیمتوں میں دوگنا اضافہ ہوا ہے۔ اشیائے خورد و نوش کے افراط زر میں بہت سے عوامل کارفرما ہیں، جیسے کہ خام تیل کی قیمتیں، توانائی کی قیمتیں اور بالواسطہ ٹیکس۔ معاشیات کی زبان میں اسے cost push inflation سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خوراک کے افراط زر کی ایک اور وجہ خوراک کی برآمد اور خوراک کی درآمد ہے۔ جب بین الاقوامی قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے یا ملکی کرنسی کی قدر میں کمی واقع ہوتی ہے تو درآمد شدہ اشیائے خورد و نوش (خوردنی تیل، دالیں وغیرہ) بھی مہنگے ہو جاتے ہیں۔ جب اشیائے خورد و نوش کی برآمد یا اسمگلنگ میں اضافہ ہوتا ہے، تو ملکی معیشت میں ان کی رسد میں کمی ہو جاتی ہے، جس کے نتیجے میں کھانے پینے کی مصنوعات میں طلب کی بنیاد پر افراط زر بڑھ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ذخیرہ اندوزی اور کارٹلائزیشن خوراک کی طلب میں افراط زر کی ایک اور بڑی وجہ ہے۔ شوگر انڈسٹری میں حکومت کے تعاون سے چلائے جانے والے کارٹیلس دنیا بھر میں عام ہیں۔ اسلام واضح طور پر ذخیرہ اندوزی/کارٹلائزیشن سے منع کرتا ہے۔ اسلام کسی بھی طرح کے بلاواسطہ ٹیکس لگانے سے بھی منع کرتا ہے۔ اور اسلام ریاست کو یہ حکم دیتا ہے کہ امت کو نقصان سے بچانے کے لئے جب اور جہاں ضرورت پڑے، اشیائے خورد و نوش کی درآمد اور برآمد پر پابندی لگائے۔

ایک بار افراط زر آجائے، تو یہ سرمایہ دارانہ نظام کی ایک اور اندرونی خامی کی وجہ سے مزید افراط زر کا باعث بنتا ہے۔ سرمایہ داری مزدوری کی اجرت کا تعین ساز و سامان اور خدمات کی متعین قیمتوں سے منسلک ہوتا ہے۔ اس کے نقطہ نظر میں مزدور دو وجوہات کی بناء پر زیادہ اجرت وصول کر سکتا ہے۔ پہلی، جب مزدور زیادہ قابل ہوتا ہے اور زیادہ پیداوار دیتا ہے اور اس طرح فرم کی پیداوار میں زیادہ حصہ ڈالتا ہے، تو مزدور فرم سے زیادہ آمدنی وصول کر سکتا ہے۔ دوسری، کہ جب معیشت میں قیمت کی سطح (افراط زر) میں اضافہ ہوتا ہے تو مزدور کی مزدوری کی اجرت میں اضافے کے ذریعے اس امر کی تلافی کی جاتی ہے۔ اجرت میں یہ اضافہ پیداوار کی لاگت میں اضافہ کرتا ہے جس کے نتیجے میں قیمتیں چڑھتی ہیں اور اس سے بھی زیادہ افراط زر ہوتا ہے۔ اب یہ عمل خود کار اور خود کو برقرار رکھنے والا بن جاتا ہے، یعنی قیمتیں بڑھتی ہیں جس سے زیادہ اجرت ملتی ہے، جس کی وجہ سے قیمتیں زیادہ ہو جاتی ہیں، جو زیادہ اجرتوں کا باعث بنتا ہے، اور پھر یہ چکر چلتا رہتا ہے۔ اس معاملے کو اجرت و قیمت کا چکر یعنی 'ویج پرائس اسپائرل' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اجرت و قیمت والا چکر افراط زر کی ایک ایسی قسم ہے جو کہ اجرت اور قیمت کی سطح

میں ایک دوسرے کو تقویت دینے کی صورت میں دونوں کے بڑھنے کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ نوٹ کریں کہ اگر اجرت پیداواری صلاحیت کے بڑھنے کی وجہ سے بڑھے، تو اس کا اثر افراط زر پر نہیں ہوتا، کیونکہ اس معاملے میں پیداواری لاگت میں اضافہ نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں حقیقی اجرت ایک جیسی ہی رہتی ہے۔ اسلام کی نظر میں اجرت ایک خدمت کے عوض دی جاتی ہے اور ملازم کی اجرت اس کے کام کی منفعت کے بدلے میں ہوتی ہے، لہذا اس کی اجرت اس سے حاصل ہونے والے فائدہ کے لحاظ سے ہوتی ہے، اور اسے ان اشیاء کی قیمتوں سے نہیں جوڑنا چاہئے جن کی پیداوار اس کی خدمت کے نتیجے میں ہوئی۔ اگر مزدور کو اس کی اشیائے ضروریہ کی قیمتوں کے لحاظ سے اجرت دی جائے، تو اس سے مزدور کے رزق کا ذمہ اس کے آجر (اجرت دینے والے) پر ہو جاتا ہے، جو کہ اسلام کی نظر میں صحیح نہیں۔ کیونکہ ہر فرد کا رزق اس کے اپنے امور کا ایک حصہ ہے جن کی دیکھ بھال ریاست کے ذریعے ہوتی ہے، نہ کہ آجر کے ذریعے۔ لہٰذا ایک مزدور کی اجرت کا اندازہ اس سے حاصل ہونے والے نفع کی قیمت سے کیا جاتا ہے، چاہے اس کی اجرت اس کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی ہو یا نہیں۔

جدید فاسد معیشت میں ایک اور چینل کے ذریعہ افراط زر مہنگائی کو مزید تکلیف دہ بنا سکتا ہے، اور وہ اس طرح ہے کہ چونکہ وہ (دھاتی) کرنسی کہ جس کی بنیاد اجناس پر ہوتی ہے، کی مالیت کا دارومدار حقیقی دولت پر ہوتا ہے، لیکن فیاٹ کرنسی کی قیمت پوری طرح سے اس کی طلب اور رسد سے طے ہوتی ہے۔ اس طرح زر مبادلہ کی شرح میں اتار چڑھاؤ ایک عام مسئلہ ہے۔ وہ ممالک جن کا افراطِ زر زیادہ ہے وہ عام طور پر اپنے تجارتی شراکت داروں کی کرنسیوں کے مقابلے میں اپنی کرنسی میں گراوٹ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس قدر میں کمی سے درآمدات کی قیمتیں خاص طور پر صنعتی درآمدات جیسے کہ تیل کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں پیداوار کی لاگت زیادہ ہو جاتی ہے اور بالآخر افراط زر بھی بڑھ جاتی ہے۔ حالیہ برسوں میں پاکستانی روپے کی گرتی ہوئی قیمتوں نے مینوفیکچرنگ کے اخراجات میں اضافہ کیا جس کی وجہ سے زراعت، ٹیکسٹائل اور دیگر شعبوں میں تباہی مچ گئی، جو کہ پہلے ہی بڑھی ہوئی شرح سود کی پالیسی سے نبرد آزما تھے۔ لہذا قرض کی اونچی لاگت اور مینوفیکچرنگ لاگت میں اضافے کے ساتھ بہت ساری صنعتیں اور کمپنیاں بین الاقوامی سطح پر مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہیں۔ ان کی مہنگی مصنوعات کے لئے خریدار نہ ہونے کی وجہ سے ملک کی اہم برآمدات میں کمی آئی اور پاکستان کی ادائیگیوں کا توازن بگڑ گیا۔ ساتھ ہی بنیادی اشیائے خوردونوش کی مسلسل درآمد سے افراط زر میں مزید اضافہ ہوا۔ دنیا کی چوتھی بڑی زرعی معیشت ہونے کے باوجود پاکستان کھانے پینے کی اشیا کے بڑے درآمد کنندہ ممالک میں سے ایک ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کو اشیائے خوردونوش

کی درآمد کے لئے زیادہ قیمت ادا کرنا پڑی (کرنسی کی قدر میں گراوٹ کے بعد) اور اس طرح گھریلو خوراک کی افراط زر میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ پاکستان کی حکومت نے ادائیگیوں کے توازن کو فروغ دینے کے لئے غیر ملکی ترسیلات زر اور کھانے کی اہم گھریلو اشیا کی برآمد پر زیادہ سے زیادہ انحصار کیا ہے۔ برآمدات پر اتنا زیادہ انحصار پاکستانی آبادی کے لئے خاص طور پر ظالمانہ ہے، کیونکہ غیر ملکی زرمبادلہ حاصل کرنے اور ادائیگیوں کے توازن کو بہتر بنانے کے لئے بیتاب و مجبور پاکستانی حکومت چاول اور گندم جیسے اہم غذا کی برآمد کرتی ہے، جس سے اندرون ملک قلت پیدا ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ محنت سے کمایا ہوا زرمبادلہ ملک کی اندرونی معیشت میں دوبارہ سرمایہ کاری کے لیے استعمال میں نہیں لایا جا سکتا، بلکہ غیر ملکی معیشتوں کو مضبوط بنانے کے لئے قرض کی مسلسل ادائیگی کی صورت میں واپس بھیجا جاتا ہے۔ یوں پاکستانی حکومت کو بین الاقوامی اداروں سے قرض لینا پڑتا ہے تاکہ ادائیگیوں کے توازن میں جو بگاڑ پیدا ہو رہا ہے اس سے نمٹنے کے لئے بین الاقوامی اداروں سے رجوع کرے۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ افراطِ زر امت کی معاشی زندگی کے لیے بے پناہ نقصان دہ ہے۔ اسلامی شریعت اس نقصان کو ختم کرنے کے لیے اس کی بنیادی وجوہات سے نمٹتی ہے۔ اسلام کا یہ حکم ہے کہ ریاست کی کرنسی کو قیمتی دھاتوں سونے اور چاندی کی پشت پناہی حاصل ہو اور اس سے مہنگائی کی اصل وجہ ختم ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو 4.25 گرام وزنی سونے کے دیناروں اور 2.975 گرام وزنی چاندی کے درہموں کو ریاستی کرنسی کے طور پر اختیار کرنے کا حکم دیا۔ شریعت نے سونے اور چاندی کی کانوں کو بنیادی طور پر عوامی ملکیت میں دیا ہے اور ان میں سے کچھ کو حمیٰ کے ذریعہ ریاستی ملکیت بنانے کی بھی اجازت دی ہے، جبکہ ان کانوں کی نجی ملکیت میں جانے پر پابندی عائد کی ہے۔ ریاست کا اصل کام ان کی نگرانی کرنا، اور مسلمانوں کی طرف سے ان کی کان کنی کرنا، اور انہیں مسلمانوں کے بیت المال میں رکھنے کا ہے۔ عوامی املاک کے محصولات بیت المال میں علیحدہ مد میں رکھے جاتے ہیں اور دوسرے محصولات کے ساتھ نہیں ملائے جاتے، کیونکہ وہ تمام مسلمانوں کی ملکیت میں سے ہیں، جہاں سے خلیفہ انہیں اپنی رائے اور اجتہاد کے مطابق مسلمانوں کے مفاد میں شرع کی حدود کے اندر رہتے ہوئے خرچ کرتا ہے۔ اسلام میں شریعت نے مرکزی بینکروں اور fractional reserve بینکنگ کے فسادات سے پاک ایک منصفانہ اور مساوی مالیاتی نظام کی بنیاد رکھی ہے۔ یہ سود پر مبنی مالیاتی نظام کو مسترد کرتا ہے اور معاشی سرگرمیوں کے لیے مالیات کی فراہمی کے لیے سرمایہ کاروں اور کاروباری افراد کے مابین حقیقی شراکت داری کی بات کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خلافت میں ایک ہزار سال قیمتیں یکسر مستحکم رہیں۔ مستقبل قریب میں قائم ہونے والی خلافت ان شاءاللہ نہ صرف تانبے اور سونے جیسی اجناس کا تبادلہ کرے گی، بلکہ سونے اور چاندی کے زرمبادلہ اور بین الاقوامی تجارت کے دوران سونے چاندی کے ریاست سے اخراج کو بھی ذہن میں رکھے گی، اگرچہ مسلم دنیا زیادہ تر وسائل کے معاملے میں خود کفیل ہے۔ مزید یہ کہ بین الاقوامی تجارت میں سونے اور چاندی کے عالمی کرنسی کے طور پر دوبارہ آنے سے امریکہ، جو اپنے ڈالر کے ذریعے بین الاقوامی تجارت پر تسلط قائم رکھ کر غیر منصفانہ فائدہ اٹھاتا رہا ہے، وہ ختم ہو جائے گا۔ ریاستِ خلافت میں بیت المال حقیقی معیشت کی بڑھوتری کی پشت پناہی کرنے والا، اور زراعت و صنعت کو مضبوط کرنے والا ادارہ ہو گا۔ بیت المال نجی بینکوں کی طرح نہیں ہوتا جو سود کے ذریعے معیشت کو چوستے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے نقدی کی سپلائی کو مسلسل بڑھاتے رہنے کی ضرورت پڑتی ہے، کرنسی کی ویلیو میں کمی ہوتی جاتی ہے اور قیمتوں میں اضافے کا عمل جاری رہتا ہے۔ بیت المال کی پوری توجہ مقامی زرعی اور صنعتی شعبوں کی حوصلہ افزائی کے لئے قرضے فراہم کر کے ایک متحرک اور طاقتور معیشت کو ترقی دینے پر ہو گی۔ ریاستِ خلافت کی روش یہ نہیں ہوتی کہ وہ معیشت کو تباہ کرنے کے بعد مزید قرضوں کے حصول کے لیے کشکول لے لے پھرے، بلکہ وہ اپنی معیشت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کر کے عالمی سطح پر مغربی استعمار کے سود پر مبنی ظالمانہ نظام کے خاتمے کے لئے عالمی سطح پر پکار اٹھائے گی۔ یہ ناانصافی پر مبنی عالمی مالیاتی نظام ہی ہے جو ممالک کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے سے روکتا ہے، چاہے انہوں نے اپنی معیشت کو نچوڑ کر، سود کی مد میں قرض کی اصل رقم سے کئی گنا رقم ہی کیوں نہ ادا کر دی ہو۔

فہرست

معاشی بدحالی ہمارا مقدر اس لیے ہے کہ پوری سیاسی اشرافیہ استعماری جمہوریت کے ذریعے حکمرانی کرتی ہے اب وقت اسلامی خلافت کے قیام کا ہے

حزب التحریر، ولایہ پاکستان

اے پاکستان کے مسلمانو! ہم نااُمیدی اور مایوسی میں گھرے ہوئے ہیں کیونکہ جمہوریت ہمیں جن سیاسی جماعتوں میں سے چناؤ کا اختیار دیتی ہے وہ نہ تو ہمارے دین، زندگی، دولت، اور حرمات کی حفاظت کرتی ہیں اور نہ ہی ہمارے بچوں کے روشن مستقبل کی ضامن ہیں۔ ایک طرف ہم پی ٹی آئی کی نااہل حکومت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں جس نے ہمیں تکلیف دہ معاشی صورتِ حال اور بدحالی میں مبتلا کر رکھا ہے اور ہمیں ہمارے دشمنوں کے ہاتھوں بھی ذلیل و رسوا کروا رہی ہے۔ تو دوسری جانب ہم ماضی کی کرپٹ سیاسی قیادتوں کو بھی دوبارہ اقتدار میں نہیں دیکھنا چاہتے جنہوں نے اقتدار کو اپنے ذاتی مفادات کے حصول اور اپنے قریبی لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے استعمال کیا تھا اور موجودہ حکمرانوں ہی کی طرح وہ بھی استعماری کفار کی خدمت گزاری کرتی تھیں۔

آخر ہم کس کی طرف رجوع کریں؟! مہنگائی کی تکلیف ناقابل برداشت ہو چکی ہے۔ غربت کی شرح بلند سے بلند تر ہو رہی ہے، مزید لاکھوں لوگ غربت اور قرضوں کی دلدل میں ڈوب چکے ہیں۔ مستقبل کا نقشہ تاریک دکھائی دیتا ہے، کاروبار ختم ہو رہے ہیں، بے روزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے، ہزاروں افراد نوکریوں سے ہاتھ دھو چکے ہیں یا انہیں تنخواہیں تاخیر سے مل رہی ہیں یا سرے سے تنخواہ مل ہی نہیں رہی، غربت سے لاچار ہمارے نوجوان ٹیکسی ڈرائیور اور 'ہوم ڈیلیوری بوائے' بن کر سڑکوں پر مارے مارے پھرتے ہیں۔

اس معاشی تباہی کے درمیان، حقیقت سے لاتعلق پاکستان کے حکمران، بے معنی معاشی اعداد و شمار میں رونما ہونے والی نام نہاد مثبت تبدیلیوں کو خوشخبری کے طور پر پیش کر رہے ہیں، گویا کہ چارٹوں پر سجے ہوئے اعداد و شمار جسے یہ حکمران اپنی پریس کانفرنسوں اور ٹویٹس کے ذریعے ہماری طرف اچھالتے رہتے ہیں، ہماری بدحالی کو ختم کر دیں گے۔ یقیناً سرمایہ دارانہ معاشی نظام اپنی فطرت میں ایک غیر انسانی نظام ہے جس میں کل ملکی پیداوار (GDP)، ڈالروں کا حصول، قرضوں کی واپسی کی قابلیت پیدا کرنا اور مزید ٹیکس لگانے کے نئے نئے طریقے ایجاد کرنا ہی اصل کمال ہے۔ یہ آئی ایم ایف کا مسلط کردہ وہی معاشی

بندوبست ہے جس کی حمایت پوری سیاسی اشرافیہ کرتی ہے، اور جس میں عوامی مفاد کو قربان کرتے ہوئے محض بین الاقوامی اور مقامی سرمایہ داروں کے مفادات کا تحفظ ہوتا ہے۔

یقیناً دنیا بھر میں سرمایہ داریت (Capitalism) معیشت کو اس انداز سے چلاتی ہے کہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کے مفادات کو یقینی بنایا جائے جبکہ جمہوریت ان سرمایہ داروں کو سیاسی طاقت فراہم کرتی ہے تاکہ وہ اپنے سلطنت نما کاروبار کی حفاظت کے لیے قانون سازی کر سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کے امیر ترین افراد کی دولت اس سال اپریل سے جولائی کے درمیان، 27.5 فیصد اضافے کے ساتھ، 10.2 ٹریلین ڈالر تک پہنچ گئی، جبکہ اسی دوران عوام کی بڑی تعداد شدید غربت کی وجہ سے تباہ حال ہو گئی۔

اے پاکستان کے مسلمانو! سرمایہ دارانہ استعماری جمہوریت میں کوئی بھی حکمران ہماری بدحالی کا خاتمہ کر کے ہماری معاشی خوشحالی کو یقینی نہیں بنا سکتا۔ موجودہ حکمرانی اور نظامِ معیشت کرپٹ مغربی اقدار پر کھڑے کیے گئے ہیں جو ہمیں اُس بین الاقوامی آرڈر کا غلام بنا دیتے ہیں جسے مغربی استعمار نے قائم کیا ہے اور جس کی قیادت اس وقت امریکا کر رہا ہے۔ یہ غیر ملکی درآمد شدہ نظام اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ ہم اپنے دین سے دستبردار ہو جائیں اور اپنی معاشرتی زندگی کو مغربی استعماریوں کی خواہشات کے مطابق ڈھال لیں۔ ان استعماریوں نے ہم سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اگر ہم معیشت کی بحالی چاہتے ہیں تو امریکا کی صلیبی جنگ میں اُس کے ساتھ کھڑے ہوں اور افغان مسلمانوں کی حمایت سے دستبردار ہو کر انہیں امریکی جارحیت کے سامنے تنہا چھوڑ دیں، لیکن ذلت و رسوائی اور معیشتی غلامی ہی ہمارا مقدر بنی۔ اب وہ ہم سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ ہم معاشی فوائد کی خاطر مقبوضہ کشمیر سے دستبردار ہو کر اس پر ہندو ریاست کے قبضے کو تسلیم کر لیں۔ آج، موجودہ حکمران جانتے بوجھتے ہوئے ہمارے پیارے رسول اللہ ﷺ کی ناموس پر کفار کی جانب سے ہونے والے حملوں کو برداشت کر رہے ہیں۔ اب یہ حکمران مسجد الاقصیٰ اور فلسطین کی مقدس سرزمین پر ناجائز یہودی وجود کو تسلیم کرنے کی راہ پر بھی چل پڑے ہیں اور رشوت کے طور پر ہمیں مغربی طاقتوں کی طرف سے ملنے والے متوقع معاشی و دفاعی فوائد کے خواب دکھا رہے ہیں۔

لہٰذا صورتحال یہ ہے کہ ہماری معیشت تباہ حال ہے اور ہمارے دشمن بلاخوف و خطر ہماری حرمات و مقدسات کی بے حرمتی کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اگر ہم نے جمہوری نظام کو گلے سے لگائے رکھا تو پاکستان میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ جمہوریت نے صرف بدحالی اور ذلت کے تسلسل کو ہی یقینی بنایا ہے جب سے چالاک برطانوی استعمار نے اپنی اِس نوآبادیات کو

چھوڑتے ہوئے جمہوری نظامِ حکمرانی کو خاص طور پر پیچھے چھوڑ دیا۔ جمہوریت ایک استعماری نظامِ حکومت ہے جسے مغرب زدہ حکمران اشرافیہ ہم پر نافذ کرتی ہے۔ اس مغرب زدہ اشرافیہ کے کئی گروہ ہیں جو باری باری اقتدار میں آتے رہتے ہیں، اور اب ہمیں ان تمام سے مکمل طور پر منہ موڑنا ہے۔

اے پاکستان کے مسلمانو! ہم استعمار کے سرمایہ دارانہ جمہوری نظام اور اس کی طرف دعوت دینے والی قیادت سے کسی بہتری کی امید نہیں رکھ سکتے۔ ہمیں لازمی طور پر اسلام کی طرف رجوع کرنا ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحی کی بنیاد پر حکمرانی کے قیام کے لیے بھرپور جدوجہد کرنی ہے۔ یقیناً اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اس بات سے خبردار کر چکا ہے کہ اگر ہم اُس کی ہدایت سے منہ موڑیں گے تو ہماری زندگی مشکلات سے بھر جائے گی اور آخرت بھی رسوا کن ہو گی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِىۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا وَّنَحۡشُرُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَعۡمٰى "اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے "**(طٰہٰ، 20:124)۔ یقیناً یہ نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافت ہی ہو گی جو ہمیں ابتری اور رسوائی کی صورتحال سے نکالے گی جس میں ہمیں جمہوریت نے مبتلا کر رکھا ہے۔

خلافت قرآنِ مقدس اور مبارک سنت سے اخذ شدہ شرعی احکام کے مطابق معیشت کے امور کو منظم کرتی ہے۔ تاریخی طور پر خلافت نے ایک مضبوط معیشت قائم کی تھی، اپنے شہریوں کو معاشی خوشحالی و آسودگی فراہم کی تھی، جبکہ اس کے ساتھ ساتھ غریبوں پر کوئی بوجھ ڈالے بغیر بیت المال کو محصولات سے بھر دیا تھا جس کی بدولت طاقتور مسلح افواج کو تیار کیا گیا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا گیا اور اسلام کے پیغام کو دنیا بھر میں پھیلایا گیا۔ خلافت قرضوں پر کسی قسم کا سود ادا نہیں کرے گی کیونکہ سود لینا اور دینا اسلام میں بہت بڑا گناہ ہے۔ جہاں تک سود کی ادائیگی کے بغیر قرض کی اصل رقم کا تعلق ہے، تو خلافت اس بات کو یقینی بنائے گی کہ جن جن حکمرانوں اور عہدیداروں کے دور میں یہ قرض لیا گیا تھا انہیں ہی ان قرضوں کی ادائیگی کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے کیونکہ انہوں نے ہی پاکستان کو سودی قرضوں کے جال میں پھنسایا تھا اور اس خدمت پر استعمار سے فوائد سمیٹے تھے۔

جہاں تک ہمارے امور کی دیکھ بھال کے لیے درکار وسائل کی فراہمی کا تعلق ہے تو خلافت اُن ذرائع سے محصولات جمع کرے گی جنہیں ہمارے دین نے فرض قرار دیا ہے۔ خلافت شرعی احکام کے مطابق، مویشیوں، فصلوں اور پھلوں، کرنسی

اور تمام اقسام کے تجارتی مال پر زکوٰۃ وصول کرے گی، زرعی زمین سے خراج وصول کرے گی، مالی طور پر مستحکم غیر مسلم مرد حضرات سے جزیہ لے گی اور جہاد کے دوران حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کو جمع کرے گی۔ اس کے علاوہ خلافت عوامی ملکیت کے تحت آنے والے شعبوں یعنی تیل، گیس، بجلی اور معدنیات کے امور کی خود نگرانی کرے گی کیونکہ اسلام ان وسائل کی نجکاری کی اجازت نہیں دیتا اور ان سے حاصل ہونے والے کثیر محصولات کو بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔ خلافت عوامی اثاثوں سے متعلقہ فیکٹریوں سے بھی آمدنی حاصل کرے گی اور ان ریاستی صنعتوں سے بھی کہ جنہیں قائم کرنے کے لیے بہت زیادہ سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے اور جن سے نفع بھی بہت زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ ہیوی انڈسٹری، گاڑیاں، ٹرک، بسیں بنانے کے کارخانے اور الیکٹرانک آلات وغیرہ۔

اے پاکستان کے مسلمانو! اس سال 1442 ہجری کے ماہِ رجب میں خلافت کے خاتمے کو ایک سو ہجری سال مکمل ہو جائیں گے، جسے عرب اور ترک غداروں نے مغربی صلیبی دشمنوں کے ساتھ گٹھ جوڑ بنا کر تباہ کیا تھا۔ اُس وقت سے اسلامی امت نے صرف اپنے دین، املاک، زندگیوں اور علاقوں کی تباہی و بربادی ہی دیکھی ہے جبکہ اس کے پاس تیس لاکھ سے زائد افواج اور دنیا کے زبردست خزانے معدنی دولت کی صورت میں موجود ہیں۔ انسانوں کی قانون سازی پر مبنی تمام نظاموں نے امت کو محض ناکامی سے دوچار کیا ہے، خواہ وہ بادشاہت ہو، جمہوریت ہو، آمریت ہو یا پھر انہی نظاموں کے مختلف مرکبات اور ملغوبے۔ یہ بات واضح ہے کہ یہ وقت خلافت کے قیام کا ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ہمارے لیے کون سا نظامِ حکمرانی بہتر ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ "بھلا جس (اللہ) نے پیدا کیا، کیا وہ جانتا نہیں؟ وہ تو پوشیدہ باتوں کا بھی جاننے والا اور (ہر چیز سے) آگاہ ہے"** (الملک، 14:67)۔

خلافت ہمارے دَور کی صرف ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ اس کے قیام سے لاپرواہی برتنا گناہ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سزا کا موجب ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں سختی سے ایسی حکمرانی سے منع فرمایا ہے جس میں فیصلے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحی کی بنیاد پر نہ کیے جائیں، ارشاد فرمایا: **وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ "اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں"** (المائدہ، 5:45)۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خلیفہ کی بیعت کی عدم موجودگی یعنی خلیفہ کی عدم موجودگی سے منع فرمایا ہے، **مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً "اور جو شخص مر جائے اور (خلیفہ کی) بیعت کا طوق اس کے گلے میں نہ ہو تو اس کی موت جاہلیت کی موت**

ہو گی" (مسلم)۔اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہم تین دن اور تین راتوں سے زیادہ خلیفہ کے بغیر نہیں گزار سکتے، جبکہ سو ہجری سال گزر چکے اور ہم خلافت کے بغیر ہیں؟!

آگے بڑھیں اور خلافت کے قیام کے ذریعے اسلامی طرزِ زندگی کو بحال کرنے کی پکار بلند کریں اور آپ کی پُرزور آواز جمہوریت کے تمام ترنعروں کا گلہ گھونٹ دے۔ آئیں اور اس بات کا تہیہ کریں کہ ہم خلافت کی تائید اور پکار کو اپنے سوشل میڈیا والیکٹرونک میڈیا کے ساتھ ساتھ مساجد کے ممبروں اور اللہ کے گھروں میں منعقد کیے جانے والے درسوں میں نمایاں کریں گے۔ آئیں اور اس چیز کو ممکن بنائیں کہ اثر ورسوخ رکھنے والے لوگوں میں سے مضبوط افراد اسلامی حکمرانی کی بحالی کی تحریک میں پہلی صفوں میں کھڑے ہوں جیسا کہ عمر الفاروقؓ اور حمزہ بن عبدالمطلبؓ جیسے مضبوط صحابہؓ کھڑے ہوئے تھے۔ اور ہماری افواج میں موجود افسران اپنے بھائیوں، یعنی انصارِ مدینہ، کی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحی کی بنیاد پر حکمرانی کے لیے نُصرۃ فراہم کریں۔ تو آئیں ہم سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے اس عظیم کام کا حصہ بن جائیں۔

09 جمادی الاول 1442 ہجری — حزب التحریر

24 دسمبر 2020ء — ولایہ پاکستان

فہرست

مسٹر میکرون! مسلمان اسلام کیخلاف تمہاری سیکولر تہذیبی جنگ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں!

ڈاکٹر نظرین نواز - برطانیہ

میکرون صاحب! تم کہتے ہو کہ تم اسلام کیخلاف سیکولر اقدار اور لبرل طرزِ زندگی کے ذریعے ایک نظریاتی جنگ لڑنا چاہتے ہو، تو جان لو کہ ہم مسلمان نظریات کی یہ جنگ لڑنے کے لیے ہر دم تیار ہیں۔

تو آپ کونسے فکری ہتھیاروں سے ہم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں؟ کیا آپ کا استدلال یہ ہے کہ سیکولرازم کے عقیدے نے مہذب ریاستوں کو قائم کیا ہے جن کی بنیاد شائستہ اقدار پر ہے؟ یہ کیسی شائستہ اقدار ہیں کہ یہ ریاستیں "لبرل" آزادیوں کی آڑ میں لوگوں کے مقدس عقائد پر دشنام طرازی کو اپنا طرہِ امتیاز سمجھتی ہیں، اور مذہبی اقلیتوں کے تشخص کو داغدار کرنا اور ان کو قابل نفرت بنا کر ان کے ساتھ دوسرے درجے کے شہری کا سلوک کرنا، کیا یہ وہ اعلیٰ تہذیب ہے جس کے آپ دعویدار ہیں؟ کیا آپ اسے تہذیب یافتہ ہونا سمجھتے ہیں کہ مسلمان بچوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے ان کے گھروں پر چھاپے ماریں وہ بھی محض اس وجہ سے کہ وہ اپنے نبی ﷺ کے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کو قبول نہیں کرتے، کیونکہ وہ اپنے نبی ﷺ سے بے حد محبت کرتے ہیں؟ یا پھر یہ تہذیب یافتہ ہونا ہے کہ اپنی موقع پرست سیکولر سیاسی چالوں کے ذریعے مذہبی اقلیتوں کو خوفناک وِلن بنا کر پیش کیا جائے جس سے آپ کے متعصب اور نسل پرست ووٹر خوش ہوں؟ کیا دوسروں ملکوں کے وسائل کی لوٹ مار اور قتل وغارت اور انہیں استعمار کے پنجے میں جکڑنا، تہذیب یافتہ ملک ہونے کی نشانی ہے؟ یا پھر دنیا میں آمروں کی حکومتوں کو اسلحہ بیچ کر سپورٹ کرنا جیسا کہ سعودی عرب، جس نے اس اسلحے کا یمن کی آبادیوں پر بے دریغ استعمال کیا، تہذیب یافتہ ہونا ہے؟ یا شاید جنگ و جبر سے تنگ بے سہارا اور بے یار و مددگار مہاجرین کو کیڑوں مکوڑوں کی طرح سمجھنا اور ان کو ایک قابل عزت رہائش اور پناہ نہ دینا تہذیب یافتگی ہے!

تہذیبوں کے اس تصادم میں، کیا آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ سیکولرازم ہی وہ دین ہے جو مختلف نسلوں اور اعتقادات کے لوگوں کو اکٹھا کر سکتا ہے جبکہ آپ کا نظام قوم پرستانہ اور یورپی نظریات سے اٹا ہوا ہے۔ سیکولر سیاستدانوں کی جانب سے مختلف کمیونیٹیز کے درمیان خوف، نفرت، غصہ اور تقسیم پیدا کرنے کے لیے، اسلاموفوبیا کا استعمال اور اسلامی عقائد کو بدنام کرنا، اس

سب کے علاوہ ہے۔ آپ کیسے مصر ہیں کہ سیکولرازم ایک وحدت پیدا کرنے والی قوت ہے جب کہ ان سیکولر ریاستوں میں دنیا بھر میں دائیں بازو کی متعصب اور فسطائی تنظیمیں اور تحریکیں غالب ہو چکی ہیں۔ اور آپ کی جرأت کیسے ہوئی کہ آپ یہ اعلان کریں کہ اسلامی عقائد علیحدگی پسندی کی طرف لے کر جاتے ہیں جبکہ دراصل آپ اور آپکے ہمنوا سیکولر سیاستدان مسلمانوں کو ان کے مذہبی عقائد کی بنیاد پر 'افقتھ کالم'، 'اندرونی دشمن'، اور 'دوسرے لوگ' جیسے القابات سے نواز کر علیحدگی پسندی پر مبنی بیانیے کو پھیلا رہے ہیں اور آپکی حجاب اور نقاب پر پابندیاں مسلمان خواتین کو معاشرے میں بھرپور کردار ادا کرنے سے روک رہی ہیں!

آپ کو پتا ہونا چاہیئے کہ یہ اسلام تھا جس نے تمام رنگ و نسل اور ثقافتی پسِ منظر رکھنے والے لوگوں کو چین سے لیکر سپین تک ایک نظام تلے یکجا کیا، ایک ریاست کے لیے ایک ہی قانون، جس نے عصبیت کو لوگوں کے دلوں سے اکھاڑ پھینکا۔ وجہ یہ ہے کہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہی عصبیت جیسی موذی فکر کو مسترد کرتا ہے اور قومیت جیسے تصورات کو بھی جو عصبیت کو پروان چڑھاتے ہیں۔ درحقیقت، رسول اللہ ﷺ، جن کی مبارک ذات کو آپ طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہو، نے فرمایا: **فَلَيْسَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ فَضْلٌ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ فَضْلٌ، وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَبْيَضَ فَضْلٌ، وَلَا لِأَبْيَضَ عَلَى أَسْوَدَ فَضْلٌ، إِلَّا بِالتَّقْوَى** "کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ اسی طرح، کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی برتری حاصل نہیں اور نہ ہی کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی برتری حاصل ہے، ہاں مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔" (بیہقی)۔ مزید برآں، یہ ہمارے محبوب پیغمبر ﷺ ہی تھے، جنہوں نے مدینہ میں اسلامی حکومتی نظام بنایا جس کے قانون کے تحت تمام لوگ برابر تھے اور تمام افراد کو بلا تمیز یکساں حقوق اور شہری تحفظ حاصل تھے خواہ وہ کالے ہو یا گورے، مسلم یا غیر مسلم، مرد ہو یا عورت، امیر ہو یا غریب۔ اس نظام، جس پر تم انتہاء پسندی اور بنیاد پرستی کے ٹھپے چسپاں کرتے ہو، نے پوری دنیا کو دکھایا کہ کیسے اپنے سے الگ مذہبی سوچ رکھنے والے لوگوں کی ضروریات اور حقوق کا خیال رکھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر میثاقِ مدینہ نے یہ طے کیا تھا کہ ریاست کے تمام غیر مسلم شہریوں کو بغیر کسی دشنام طرازی، زیادتی اور خوف و ہراس کے اپنے مذہبی عقیدے اور عبادات کرنے کا حق حاصل ہو گا۔ بلاشبہ، ہمارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا: **أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا، أَوِ انْتَقَصَهُ، أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ، أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ، فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ** "جس کسی نے بھی کسی معاہد یا ذمی کو ضرر پہنچایا یا اس سے اس کی استطاعت سے زیادہ وصول کیا، میں قیامت کے دن اس کی شکایت کروں گا۔" (ابو داؤد)

یہی وجہ ہے کہ ماضی کے متعدد غیر مسلم لکھاریوں اور تاریخ دانوں نے اسلامی خلافت کے نظام کی تعریف کی، وہی نظام جس کے دوبارہ قیام کو تم روک رہے ہو، جیسا کہ ایچ۔جی۔ ویلز، جس نے خلافت کے انصاف کے بارے میں لکھا کہ: "انہوں نے منصفانہ برداشت کے عظیم رواجوں کی داغ بیل ڈالی۔ انہوں نے سخاوت اور برداشت کے جذبے سے لوگوں کو متاثر کیا۔ وہ انسان دوست اور عملی لوگ تھے۔ انہوں نے ہمدردی کے جذبے پر معاشرے کو قائم کیا جس میں ظلم اور معاشرتی ناانصافی ناپید تھی جس کا مثال اس سے پہلے نہیں ملتی تھی۔"

اور ول ڈیورنٹ، امریکی مصنف اور تاریخ دان، نے اپنی کتاب 'داسٹوری آف سویلائیزیشن-دی ایج آف فیتھ' The story of Civilization – The age of Faith میں لکھا: "اموی خلافت کے دور میں، معاہد، عیسائی، زرتشت، یہودی اور سبائی، سب لوگ برداشت کے اس معیار سے فائدہ اٹھا رہے تھے جو کہ آج ہمیں عیسائی ممالک میں بھی میسر نہیں۔ وہ اپنی مذہبی رسومات کو آزادی سے ادا کر سکتے تھے اور ان کے کلیسائیں اور خانقاہیں محفوظ تھیں۔ ان کو اس سے خود مختاری کا احساس ہوتا تھا کہ وہ علماء اور قاضیوں کے مذہبی قوانین کے تابع تھے"۔ واقعتاً، خلافت نے نہ صرف اپنے غیر مسلم شہریوں کا تحفظ کیا بلکہ ایک حقیقی مہذب ریاست کی طرح، ان دیگر عقائد رکھنے والے لوگوں کو، جو ظلم کا شکار تھے، بچایا اور پناہ مہیا کی۔ جیسا کہ سلطان بایزید دوئم نے پندرہویں صدی عیسوی میں، ڈیڑھ لاکھ یورپی یہودیوں کو بچانے کے لیے، جو سپین کے عیسائیوں کے ظلم کا شکار تھے، اپنا پورا بحری بیڑہ روانہ کیا اور ان کو اسلامی سرزمین میں پناہ دی۔

جناب میکرون صاحب! اور کونسا 'فکری تیر' آپ کے ترکش میں ہے؟ کیا آپ کا استدلال یہ ہے کہ سیکولرازم کا مبداء روشن خیالی (سترہویں صدی) کے دور سے ابھرا ہے، جبکہ اس کی پیدائش ہی خدا کی ریاست سے جدائی کے سمجھوتے پر ہوئی ہے جس نے اس سوال ہی کو نظر انداز کر دیا کہ کونسا عقیدہ فکری لحاظ سے درست ہے اور اس بحث سے پہلو تہی اختیار کر لی کہ بنی نوع انسان کے لیے قانون بنانے کا اختیار کا زیادہ حقدار کون ہے؟ خالق یا اس کی مخلوق۔ اور یہ دعویٰ کرنا کیسے ممکن ہے کہ سیکولرازم کی بنیاد روشن فکری پر ہے جبکہ مسلمانوں کو اس کے تصورات کو اندھے ایمان کے ساتھ منوانے کے لیے سخت قوانین، پابندیوں اور خوف کا سہارا لیا جا رہا ہے نہ کہ ایک عقلی بحث کے ذریعے!

بہر حال، ہمارا ایمان، اسلام، اندھے ایمان کو مسترد کرتا ہے اور ایک فرد سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اسے عقلی دلائل کے ذریعے اپنائے، نہ کہ رٹے ہوئے اصولوں کے ذریعے، بوجہ یہ کہ اسلام کا حق عقلی دلائل کے ذریعے ثابت ہے۔ قرآن میں

فرمایا گیا: ﴿وَمَا يَتَّبِعُ أَكۡثَرُهُمۡ إِلَّا ظَنًّاۚ إِنَّ ٱلظَّنَّ لَا يُغۡنِي مِنَ ٱلۡحَقِّ شَيۡـًٔاۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمُۢ بِمَا يَفۡعَلُونَ﴾ **"اور ان میں سے اکثر لوگ صرف گمان پر چل رہے ہیں۔ یقیناً گمان، حق (کی معرفت) میں کچھ بھی کام نہیں دے سکتا۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں یقیناً اللہ کو سب خبر ہے۔"** (یونس۔36)

اضافی طور پر، سیکولر حکومت کے برعکس، اسلام اپنے عقائد کو منوانے کے لیے کسی قسم کے جبر سے منع کرتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت 256 میں ذکر ہے: ﴿لَآ إِكۡرَاهَ فِي ٱلدِّينِۖ قَد تَّبَيَّنَ ٱلرُّشۡدُ مِنَ ٱلۡغَيِّۚ﴾ **"دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت ضلالت سے الگ طور پر واضح ہو چکی ہے۔"** (سورہ البقرہ:256)

شاید جناب میکرون آپ اس بات کی وکالت کریں گے کہ ریاستوں کے اندر مذہب کو کنارہ کش کرنے سے صحت مند اور مکمل معاشرہ تشکیل پائے گا۔ اگر ایسا ہے تو پھر کیوں 2011 میں ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کی رپورٹ کے مطابق فرانس کو دنیا کی پریشان ترین قوم کا درجہ دیا گیا؟ ہر پانچ میں سے ایک شخص کلینکل ڈپریشن کا شکار پایا گیا اور فرانس کے اپنے میڈیا نے اسے پریشانی کا عالمی چمپئین قرار دیا۔ دوسرا نمبر امریکہ کو ملا جو کہ دنیا کی سب سے بڑی سیکولر طاقت رکھنے والی ریاست ہے۔ اور اگر واقعی لبرل اور سیکولر طرزِ زندگی اطمینان اور خوشی کی ضمانت ہے تو پھر 'یورو۔سٹیٹ' کے مطابق ہر سال فرانس میں کیوں 2 لاکھ 20 ہزار لوگ خودکشی کی کوشش کرتے ہیں؟ جواب بہت ہی واضح ہے کہ جتنا زیادہ مذہب اور خالق کو سیکولرازم کے اندر زندگی اور معاشرے سے پرے دھکیلا جا رہا ہے اتنا ہی لوگوں کی زندگیوں میں روحانی خلاء پیدا ہو رہا ہے اور نتیجتاً معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور دیگر مسائل کا پہاڑ معاشرے کے افراد کے سر پر آن پڑا ہے جس کا مقابلہ کرنے سے وہ قاصر ہیں۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی مالدار اقوام میں سے ایک ہونے کے باوجود، کورونا وائرس کی وباء پھیلنے سے بھی قبل، Stistica کے مطابق فرانس میں 7 میں سے 1 شخص (9 ملین) افراد غربت کی لکیر سے نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں، اسی طرح 5 میں سے ایک شخص 3 وقت کا کھانا نہیں کھا سکتا ہے (ماخذ: Secours Populaire) ۔ اور کورونا کی وباء سے قبل بے روزگاری کی سطح بلند تھی اور بڑھ رہی تھی۔ قرضے اور معاشی بوجھ اب لوگوں پر مزید بڑھ چکا ہے اور یہی سب کچھ دنیا بھر میں باقی سیکولر ریاستوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ مزید برآں لبرل آزادیوں اور سرمایہ دارانہ سیکولر نظام نے مادیت، لذت پسندی اور انفرادیت پر مبنی طرزِ زندگی کو فروغ دیا ہے جس سے شراب نوشی، منشیات اور جرائم کی وباء بھی پھیل چکی ہے۔ The independent کے مطابق، فرانس میں 10 میں سے 1 شخص شراب نوشی کے مرض میں مبتلاء ہے اور Santé

Publique France کے مطابق ہر روز 110 سے زیادہ لوگ شراب نوشی کی وجہ یا پھر اس سے متعلق حادثے میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

اس کے برعکس اسلام زندگی میں ایک واضح مقصد مہیا کرتا ہے اور ساتھ ہی ایک روحانی ذریعہ بھی مہیا کرتا ہے جس کے ذریعے مشکلات اور پریشانیوں سے نبرد آزما ہوا جا سکے، اس وجہ سے پریشانی اور فکر مندی سے نجات ملتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام انفرادیت، لذت پسندی، مادیت، شراب نوشی، منشیات کے استعمال اور اپنی خواہشات کی تکمیل میں نتائج سے لاپرواہ، تباہ کن خود غرضی کا خاتمہ کرتا ہے۔ نتیجتاً اسلام ایک ایسا ذمہ دار مائنڈ سیٹ پیدا کرتا ہے جس کے اندر اپنی خود احتسابی اور خالق کی جانب سے طے کردہ بلند اخلاقی معیار کے مطابق دوسروں سے برتاؤ کا احساس ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی نصوص انسانی مسائل کے ایسے جامع اور درست حل پیش کرتی ہیں جس سے پر سکون اور پر امن معاشرے جنم لیتے ہیں جو ایسی برکت پاتے ہیں جس سے تمام لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے، نہ کہ صرف سرمایہ داریت کی طرح محض ایک مخصوص اشرافیہ کا فائدہ۔ اس کا اظہار خلافت کے تحت قائم صدیوں پر محیط اسلامی حکومت میں ہوا۔ پس جب شمالی افریقہ میں فرانس نے اپنی استعماریت کے مرہون منت، غربت اور معاشی ناکامی کی ایک داستان رقم کی، اسی سرزمین پر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز □ کے دور میں اسلامی معاشی نظام کے نفاذ کی وجہ سے کوئی زکوٰۃ لینے والا نہ تھا۔ اس وقت کے گورنر یحییٰ بن سعد نے کہا: 'مجھے عمر بن عبدالعزیز نے افریقہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ زکوٰۃ کی وصولی کے بعد جب میں نے اسے غریب لوگوں میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا تو کسی غریب کو تلاش نہ کر سکا'۔

مسٹر میکرون! آپ یہ الزام لگاتے ہیں کہ قدامت پسندانہ اسلامی عقائد تشدد اور شہریوں کے قتل کا باعث بن سکتے ہیں اور ساتھ ہی یہ لغو دعویٰ کرتے ہو کہ سیکولرازم نے کسی کی جان نہیں لی۔ تو کیا مسلمانوں کو قتل و غارت سے روکنے کے لیے کسی ایسی سیکولر ریاست سے سبق لینے کی ضرورت ہے جو ایک خونی انقلاب کے نتیجے میں پیدا ہوئی اور جس کی بنیاد خوف اور خونریزی پر ہوئی؟ اور کیا ہمیں تشدد سے روکنے کے لیے ایک ایسی استعماری حکومت سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت ہے جس کے ہاتھ لاکھوں معصوم لوگوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں اور جس کی خارجہ پالیسی نے الجیریا اور روانڈہ میں قوموں کا قبرستان بنایا ہے؟ اسلام تو اندھے تشدد اور معصوموں کا خون بہانے کو سخت ناپسند کرتا ہے حتیٰ کہ جنگ کے دوران بھی۔ اسلام کے پہلے خلیفہ ابو بکر الصدیقؓ نے اپنے سپاہیوں کو جنگ کے دوران بھی خون ریزی کی حد متعین کر کے بتائی اور کہا: "دھوکہ نہ دینا اور حد سے

تجاوز نہ کرنا، غداری نہ کرنا، لاشوں کی بے حرمتی نہ کرنا، چھوٹے بچوں کو قتل نہ کرنا، نہ ہی کسی بوڑھے یا عورت کو، کھجور کے درختوں کو نہ کاٹنا اور نہ ہی جلانا، پھلدار درختوں کو نہ کاٹنا، کسی بھیڑ، گائے یا اونٹ کو مت ذبح کرنا ماسوائے کھانے کے لیے، اور ایسے لوگوں کو تنگ نہ کرنا جنہوں نے اپنی زندگیاں خانقاہوں کے لیے وقف کر دی ہوں، ان کو اس چیز کے لیے چھوڑ دینا جس کے لیے انہوں نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہو۔" پس جو لوگ اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو قتل کرتے ہیں ان کے اعمال مفاد پرستی کی سیکولر سرمایہ دارنہ ذہنیت کی عکاسی کرتے ہیں، نہ کہ اسلامی ذہنیت کی!

مسٹر میکرون! ہو سکتا ہے کہ آپ کا یہ خیال ہو کہ آپ اسلام کیخلاف سیکولر نظریات کی یہ جنگ عورتوں اور ان کے حقوق کے میدان میں جیت جائیں۔ شاید، آپ کا یہ خیال ہو کہ آپ فرسودہ اور استعماریت کے خود ساختہ و خود فریبی پر مبنی اس بیانیے کو آگے بڑھا کر، کہ سیکولرازم عورت کو عزت دیتا ہے اور اسلام عورت پر ظلم کرتا ہے، یہ امید کرتے ہو کہ دنیا فرانس کے چوراہوں میں ہزاروں فرانسیسی خواتین کے اپنے اوپر تشدد کیخلاف مظاہرے نظر انداز کر دے گی، جو آپ کے سیکولر لبرل نظام کے سائے میں ہو رہا ہے۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ آپ اس حقیقت کو پس پردہ ڈال دیں گے کہ ہر سال فرانس میں 2 لاکھ 19 ہزار خواتین گھریلو تشدد کا نشانہ بنتی ہیں (Euronews) اور ہر تین دنوں میں ایک عورت اپنے موجودہ یا سابقہ 'پارٹنر' کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر جاتی ہے (France24) یا پھر یہ حقیقت کہ فرانس کی آدھی سے زیادہ خواتین کو جنسی ہراسگی کا سامنا ہے (Statista) اور 10 میں سے 1 سے زیادہ خواتین کے ساتھ جنسی زیادتی ہو چکی ہے (Foundation Jean Jaures thinktank) یا یہ حقیقت کہ فرانس کی پارلیمنٹ، جو سیکولر حکومت کا قلب ہے، جنس پرستی سے بھری ہوئی ہے۔ اور آپ کو یہ بات معلوم ہے کہ ان اعداد و شمار کی جھلک دنیا کی دیگر سیکولر ریاستوں میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ مزید برآں، آپ ڈھٹائی سے یہ دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں کہ سیکولر نظام عورتوں کو عزت دیتا ہے جبکہ سیکولر ریاستوں نے لبرل جنسی آزادیوں کے نام پر حسن، اشتہار بازی، فحش فلموں اور عصمت فروشی کی صنعتوں کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے کہ وہ عورتوں کا جنسی استحصال کریں اور ان کو ایک جنسی شے کے طور پر متعارف کریں اور ان کو یہ اجازت دیں کہ وہ عورتوں کی تذلیل سے منافع کمائیں۔ اور آپ کے خیال میں کہ عورتوں کے لیے آزادی کا یہ کیسا احساس ہے کہ وہ اکیلے بچوں کی پرورش کریں، اپنے بچوں کی ضروریات اور ان کو پالنے کے لیے اکیلے جدوجہد کریں کیونکہ لبرل جنسی آزادیوں کی وجہ سے شادی اور عائلی زندگی کو تو بس لذت کے لیے چند دفعہ کے لا بالی جنسی تعلق نے کچل کر کے رکھ دیا ہے۔

مزید برآں مضحکہ خیز طور پر سیکولر حضرات حجاب اور جلباب کو عورتوں پر باعث ظلم قرار دیتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اسلام کے معاشرتی نظام کا حصہ ہیں جو ایک جامع قوانین کا مجموعہ ہے جو مردوں اور عورتوں کے درمیان معاملات کو مؤثر طریقے سے منظم کرتے ہیں تاکہ دونوں اصناف کے درمیان زندگی کے تمام شعبوں میں تعاون کو یقینی بنایا جاسکے اور جنسی خواہشات کی تکمیل کو صرف شادی تک محدود کر دیا جائے۔ پس یہ ایک ایسا نظام ہے جو عورتوں کی جنسیت اور ان کے جنسی استحصال کو سختی سے روکتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عورتوں کے حسن کے کسی بھی مقصد کے لیے استحصال کو روکتا ہے جو معاشرے میں ان کے وقار کو ٹھیس پہنچائے۔ یہ سب اقدامات معاشرے میں خواتین کے لیے ایک باعزت ماحول پیدا کرتے ہیں جس میں وہ ایک فعال پبلک زندگی گزار سکیں جس میں کسی قسم کی ہراسگی یا گزند پہنچنے کا خوف نہ ہو۔ ساتھ ہی یہ اقدامات شادی کے تقدس، عائلی زندگی کی ساکھ اور بچوں کے حقوق کا تحفظ کرتے ہیں۔ اور جبکہ سیکولرازم ہر اس چیز کو، جو فحش اور غیر مہذب ہو، مناتا ہے اور ہر باحیاء اور پر اخلاق چیز کو جرم گردانتا ہے، اسلام اس کے مقابلے میں ہر باشرف اور صالح اعمال کو اپناتا ہے حتیٰ کہ ایک زبانی تہمت کو بھی بدترین جرم گردانتا ہے جس سے عورتوں کا وقار مجروح ہو۔

بلاشبہ حضرت محمد ﷺ، جن کے پاک نام کو تم آلودہ اور بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہو، نے فرمایا کہ ایک مرد کے مقام کا اندازہ اس کے خواتین سے اچھے برتاؤ سے لگایا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **إِنَّمَا النِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ، ما أكرمهن إلا كريم وما أهانهن إلا لئيم "عورتیں مردوں کا آدھا حصہ ہیں۔ صرف ایک باشرف آدمی ہی عورتوں سے عزت سے پیش آتا ہے اور صرف ایک جاہل ہی عورتوں کیساتھ برا سلوک کرتا ہے۔"**

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ **أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ "مومنوں میں سب سے بہترین وہ ہیں جو اپنے برتاؤ میں سب سے بہتر ہیں اور تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کیساتھ سب سے اچھا ہے"۔**

اس سب کے بعد بھی، جناب میکرون، آپ کیسے یہ جسارت کرتے ہو کہ اسلام بحران میں ہے جبکہ یہ تو سیکولرازم ہے جو ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کے پاس کوئی ایسا فکری ہتھیار نہیں جس سے آپ اسلام پر ضرب لگا سکیں۔ اسی وجہ سے آپ عاجز آکر جھوٹ، توہین اور کالے قوانین اور پابندیوں کا سہارا لے رہے ہیں جس سے آپ یہ نظریاتی جنگ لڑ سکیں، یہ جانتے ہوئے کہ سیکولرازم، اسلام سے نظریات کی جنگ پہلے ہی ہار چکا ہے۔ بے شک، مغرب میں بہت سے سیکولرازم اور

جمہوریت کے افکار سے بے غرض ہو گئے ہیں کیونکہ وہ اس کے پر فریب دعوؤں اور وعدوں کی قلعی کھلتے ہوئے دیکھ چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ مسلمانوں سے ان کی اسلامی اقدار اور نظام کے بارے میں ایک مباحثے کی بھی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں جس میں وہ بتا سکیں کہ وہ بنی نوع انسان کو کسی چیز کی دعوت دے رہے ہیں، بلکہ ان پر اپنے ایمان کے اظہار پر قدغن لگا رہے ہیں اور ان کی آواز کو دبا رہے ہیں۔ مگر ہم بطور مسلمان اپنے اسلامی عقائد سے دستبردار نہیں ہوں گے قطع نظر اس سے کہ آپ ہم پر جیسی بھی جھوٹی چھاپ تھوپیں۔ کیونکہ نہ صرف یہ عقائد مبنی برحق ہیں بلکہ آج دنیا سیکولر اور دیگر انسان کے بنائے ہوئے نظاموں کی وجہ سے پریشان ہے اور اسلام کے قوانین اور اس کی اعلیٰ اقدار کی تلاش میں سرگرداں ہے جس کی ضرورت اس سے زیادہ پہلے کبھی نہ محسوس کی گئی۔

تو جناب میکرون، آپ اس جنگ کو جاری رکھیں اگر آپ چاہیں، مگر یہ جان لیں کہ یہ ایک ایسی جنگ ہے جو آپ کبھی نہیں جیت سکتے۔

﴿أَفَمَنۡ أَسَّسَ بُنۡيَٰنَهُۥ عَلَىٰ تَقۡوَىٰ مِنَ ٱللَّهِ وَرِضۡوَٰنٍ خَيۡرٌ أَم مَّنۡ أَسَّسَ بُنۡيَٰنَهُۥ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٖ فَٱنۡهَارَ بِهِۦ فِي نَارِ جَهَنَّمَۗ وَٱللَّهُ لَا يَهۡدِي ٱلۡقَوۡمَ ٱلظَّٰلِمِينَ﴾

"پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈرنے پر اور اللہ کی خوشنودی پر رکھی ہو، یا وہ شخص، کہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارے پر جو کہ گرنے ہی کو ہو، رکھی ہو، پھر وہ اس کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے، اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔" [سورۃ توبہ: 109]

فہرست

سوال وجواب: زکوۃ اور کاغذی نوٹ

(عربی سے ترجمہ)

سعد گورزی، محمد الیسا، ہشام جوان، ابو احمد، ایمن محمود حمدی اور اشرف ماجد خلیل ابراھیم کی جانب

سوال:

1۔ہشام جوان

میرے پاس مال کی ایک مقدار ہو تو میں اس کا الحاق سونے کے نصاب سے کروں یا چاندی کے نصاب سے۔۔۔یعنی مقامی کرنسی کا نصاب کیا ہے؟؟؟

2۔ محمد الیسا

کیا جائیداد (پلاٹوں) کی تجارت میں زکوۃ ہے؟

3۔سعید گورزی

ایک اور سوال ہے وہ یہ کہ کیا ہمارے ہاں رائج کاغذی نوٹوں کا لین دین جائز ہے؟ سلفی علماء اس کے لین دین کو ناجائز کہتے ہیں کیونکہ یہ ابو بکر صدیقؓ کی جانب سے کرنسی کی تعریف کے موافق نہیں، افراط زر کی شکل میں اس کا خطرہ ہمارے سامنے آشکارہ ہو چکا ہے جو کہ کاغذی نوٹ کا نتیجہ ہے، کاغذی کرنسی سونے چاندی کے برعکس اسے چھاپنے والی ریاست کے زوال سے زائل ہو جاتی ہے، اس کی بہترین دلیل یہ ہے کہ بیسویں صدی میں خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے باوجود الجزائر، تیونس، لیبیا اور مراکش میں اس کی تمام نقدی پر استعماریوں نے قبضہ کر لیا، ایک ہسپانوی محقق کہتا ہے کہ امت مسلمہ کامیاب اقتصادی طریقہ کار پر چلے بغیر کبھی نشاۃ ثانیہ حاصل نہیں کر سکے گی اور امت کی معیشت اسلامی دینار اور درھم کو بحال کیے بغیر کبھی ترقی نہیں کرے گی۔

4۔ابو احمد

کیا زکوٰۃ سونے کا نصاب مکمل ہونے پر ادا کی جائے گی یا چاندی کے ؟ کیونکہ چاندی کا نصاب ایک ہزار اردنی دینار ہے جبکہ سونے کا نصاب دو ہزار اردنی دینار ہے ؟ والسلام

5۔ایمن محمود حمدی

ویلیو عقلی علت ہے، کیا احکام شرعیہ میں اس کا استعمال درست ہے ؟

6۔اشرف ماجد خلیل ابراھیم

جب آپ کے پاس 200 درھم آجائیں اور ان پر سال بھی گزرے تو 5 درھم زکوٰۃ ہے، یہاں مقصود ڈھلے ہوئے کی زکوٰۃ ہے یا زکوٰۃ کا نصاب 200 درھم ہے ؟؟؟

ان چھ سوالات کا جواب جن کا ایک ہی موضوع سے تعلق ہے

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

1۔ سونے کا نصاب بیس دینار ہے جو کہ "85 گرام سونا" ہے۔ایک دینار 4.25 گرام سونا ہے، اسے بیس سے ضرب دینے سے "85 گرام سونا" بنتا ہے، جبکہ چاندی کا نصاب دوسو درھم ہے جو کہ "595 گرام چاندی" ہے، ایک دینار 2.975 گرام چاندی کا ہوتا ہے جس کو دوسو سے ضرب دیں "595 گرام چاندی" بنتا ہے،۔۔۔اس کی دلیل وہ ہے جسے ابو عبید نے الاموال میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:» **لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ عِشْرِينَ مِثْقَالا مِنَ الذَّهَبِ، وَلَا فِي أَقَلَّ مِنْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ صَدَقَةٌ**« "سونے کے بیس مثقال سے کم اور چاندی کے دوسو درھم سے کم پر زکوٰۃ نہیں"، بخاری نے بھی یحیٰی بن عمارہ بن ابی الحسن سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے سعیدؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: »**لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ** « "پانچ اوقیہ سے کم پر زکوٰۃ نہیں" اور گنتی میں اس کی مقدار دوسو ہے کیونکہ ایک اوقیہ چالیس درھم ہوتے ہیں۔

2۔ سونے کا نصاب "85 گرام" تک پہنچتے ہی یا چاندی کا نصاب "595 گرام" تک پہنچتے ہی ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہو جاتی بلکہ نصاب پورا ہو جانے کے بعد سال گزر جائے، تب زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ یعنی جس دن نصاب مکمل ہو اس دن سے شروع کر کے ایک سال گزر جائے اور اعتبار ہجری سال کے گزرنے کا ہے، مثال کے طور پر دس محرم کو نصاب پورا ہو جائے تو

آنے والے سال دس محرم کو زکوٰۃ فرض ہو جائے گی۔۔۔ یہ اس لیے کہ ترمذی نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ: "جس کے پاس مال آئے اس پر سال گزرنے تک رب کی طرف سے اس پر زکوٰۃ فرض نہیں"۔ سونے اور چاندی میں زکوٰۃ کی مقدار دسویں کا ایک چوتھائی ہے (ڈھائی فیصد) یعنی چاندی کے نصاب میں پانچ درھم "14.875 گرام" چاندی اور سونے کے نصاب میں نصف دینار یعنی "2.125 گرام" سونا، کیونکہ ابنِ ماجہ نے عبد اللہ بن واقد اور انہوں نے ابن عمرؓ اور عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ " **«كَانَ يَأْخُذُ مِنْ كُلِّ عِشْرِينَ دِينَارًا فَصَاعِدًا نِصْفَ دِينَارٍ، وَمِنَ الْأَرْبَعِينَ دِينَارًا دِينَارًا»** رسول اللہ ﷺ ہر بیس دینار یا اس سے زیادہ پر نصف دینار وصول کرتے تھے اور چالیس دینار پر ایک دینار"، ترمذی نے علیؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **« فَهَاتُوا صَدَقَةَ الرِّقَةِ: مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمًا، وَلَيْسَ فِي تِسْعِينَ وَمِائَةٍ شَيْءٌ، فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ»** "نقدی کی زکوٰۃ نکال لاؤ، ہر چالیس پر درھم، درھم ایک سو نانوے پر کچھ نہیں، جب دو سو پورے ہوں تو پانچ درھم"۔

3۔ جیسا کہ ہم نے اوپر کہا کہ سونے اور چاندی میں نصاب پورا ہونے کے بعد سال گزر جائے تب زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، زکوٰۃ پوری رقم پر نکالی جائے گی صرف نصاب سے زیادہ پر نہیں، مثال کے طور پر جس کے پاس "170 گرام سونا ہو اور اس پر سال بھی گزر جائے تو "170 گرام" پر زکوٰۃ نکالی جائے گی یعنی 170 گرام کے دسویں کا ایک چوتھائی جو کہ 4.25 گرام سونا ہے، دوسرے لفظوں میں صرف "85 گرام" پر زکوٰۃ نہیں نکالی جائے جو کہ نصاب سے زیادہ ہے یعنی صرف "2.125" گرام زکوٰۃ نہیں نکالی جائے گی جو کہ نصف دینار ہے۔۔۔ یہی حال چاندی کا ہے جب نصاب پورا ہو اور سال گزر جائے تو پوری رقم پر زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

4۔ سونے کی زکوٰۃ کے حکم کا تعلق سونے "24 قیراط" کے ساتھ خاص ہے، اسی طرح چاندی میں زکوٰۃ کے حکم کا تعلق خالص چاندی کے ساتھ ہے، اسی لیے اگر سونے میں کسی اور چیز کی ملاوٹ ہو یا چاندی میں کسی اور چیز کی ملاوٹ ہو تو اس چیز کی مقدار وزن میں کم کی جائے گی اور مخلوط مواد کو الگ کرنے کے بعد باقی ماندہ میں اگر نصاب مکمل ہو تب زکوٰۃ ہو گی، اگر کسی شخص کے پاس "85 گرام سونا" ہو جس میں خالص سونا "18" قیراط ہو تو وہ صاحبِ نصاب نہیں کیونکہ اس کے پاس خالص سونا 85 گرام نہیں۔۔۔ ڈھلے ہوئے سونے کے 24 قیراط کی زکوٰۃ ڈھلے ہوئے سونے کے 18 قیراط کی زکوٰۃ سے مختلف ہے۔ نصاب کا حساب لگاتے وقت خالص سونے کا اندازہ لگایا جائے گا، 24 قیراط سونے کا نصاب 85 گرام ہے، جبکہ 18 قیراط

سونے کا نصاب اس سے زیادہ ہوگا کیونکہ اس میں ایک چوتھائی نسبت سے سونے کے علاوہ مواد بھی ہے، یعنی 18 قراط وزن کا صاف سونا 24 قیراط وزن کے سونے کے تین چوتھائی کے برابر ہے۔ اسی لیے 18 قیراط سونے کا نصاب صاف سونے کے نصاب کا 1/3 ہے یعنی 113.33 گرام، یہی وجہ ہے کہ جس کے پاس 85 گرام صاف 24 قیراط سونا ہو وہی صاحب نصاب ہے، اگر اس پر سال گزر جائے تو وہ اس پر 2.5٪ وزن زکوٰۃ میں دے گا، جبکہ جس شخص کے پاس 85 گرام 18 قیراط سونا ہے وہ صاحب نصاب نہیں جب اس کے پاس سونا 113.33 گرام ہو جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے تب اس کا 2.5٪ وزن زکوٰۃ میں ادا کرے گا، یہ بات واضح ہے کہ زکوٰۃ میں اعتبار صرف خالص سونے کا ہے۔

5۔ زکوٰۃ فردی عبادت ہے یہ مسلم کے مال پر اس وقت تک فرض نہیں ہوتی جب تک وہ نصاب تک نہ پہنچے، اس لیے مثال کے طور پر اگر ایک شخص 60 گرام سونے کا مالک بن جائے اور اس کی بیوی بھی 60 گرام سونے کی مالک بن جائے تو نہ شوہر پر زکوٰۃ فرض ہے نہ بیوی پر چاہے دونوں کا مجموعہ نصاب سے زیادہ ہی ہو، ہاں ان میں کسی کا مال اکیلے نصاب تک پہنچ جائے تب اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، مثال کے طور پر شوہر کے مال میں اضافہ ہو جائے اور اس کے پاس 120 گرام سونا جمع ہو جائے تب اسی پر زکوٰۃ فرض ہوگی، اس کی بیوی کے 60 گرام کو اس میں جمع نہیں کیا جائے گا۔

6۔ جس مال کی زکوٰۃ نکالی جا رہی ہو وہ اگر رائج الوقت نقدی یا تجارتی سامان ہو تو اس کو سونے یا چاندی میں سے ایک کے نصاب کے پورا ہونے پر ادا کرنا ہوگا، اگر دونوں کا نصاب مختلف ہو جیسا کہ موجودہ وقت میں ہے کہ چاندی کا نصاب سونے کے نصاب سے بہت کم ہے، تو میرے خیال میں کم نصاب یعنی چاندی کے نصاب کے مطابق زکوٰۃ نکالی جائے گی، میں کم نصاب کے مطابق اس لیے کہہ رہا ہوں کہ جب کم نصاب پورا ہو جائے تو وہ اہل زکوٰۃ میں سے ہو گیا، اب اس کے لیے زیادہ نصاب کا انتظار کرنا جائز نہیں بلکہ اسے چاہیے کہ اس تاریخ کو نوٹ کرے جس دن وہ صاحبِ نصاب بن گیا پھر ایک سال مکمل ہونے پر زکوٰۃ ادا کرے، چونکہ زکوٰۃ فقراء اور مساکین کا حق ہے۔۔۔**(إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ...)**"زکوٰۃ تو صرف فقراء اور مساکین کے لیے ہے۔۔۔"(التوبۃ: 60)، **(وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ * لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ)**"اور وہ لوگ جن کے مال میں سائل اور محروم کا معلوم حق ہے"(المعارج: 23-24)، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:» **فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ**«"ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان کے مال پر زکوٰۃ کو فرض کیا ہے، جو ان کے مالداروں سے لے کر فقراء کو دیا جائے

گا"(بخاری)۔ چنانچہ حقدار کے فائدے کا اعتبار کیا جائے گا، یوں کم نصاب یعنی چاندی کے نصاب کے مطابق زکوۃ نکالی جائے گی، میری یہ رائے ہے اور اللہ ہی زیادہ علم اور حکمت والا ہے۔

7۔رہی یہ بات کہ کاغذی نوٹ کی زکوۃ کیوں دی جاتی ہے وہ اس لیے کہ نصوص سے مستنبط شرعی علت کے سبب، شرعی علت کی چار قسمیں ہیں جیسا کہ کتاب اسلامی شخصیت جزو3 کے باب "ادلة العلة" میں آیا ہے:

"کتاب اور سنت میں موجود شرعی نصوص کی چھان بین سے یہ واضح ہو جاتی ہے کہ شرعی نص کی علت پر دلالت: صراحتاً یا دلالتاً یا استنباطاً یا پھر قیاساً ہوتی ہے، شرعی معتبر نصوص میں ان چار احوال کے علاوہ شرعی علت پر کوئی دلالت نہیں۔

شرعی نص علت پر یا تو نص کی صراحت سے ہی دلالت کرے گی یا پھر علت پر دلالتاً، یعنی نص کے الفاظ یا اس کی ترکیب اور ترتیب اس پر دلالت کریں گے، یا پھر ایک ہی نص یا متعدد متعین نصوص سے استنباطاً دلالت کرے گی جس کے معین مدلول سے اس کا فہم حاصل ہوتا ہے، نہ کہ ان کے مجموعے سے۔ یا پھر قیاس ہوتا ہے کہ ایسی علت کو جو نہ تو نص میں وارد ہو نہ اجماعِ صحابہ میں، اسے ایسی دوسری علت پر قیاس کیا جائے جو قرآن یا سنت یعنی نص میں وارد ہو یا پھر اجماعِ صحابہ میں وارد ہو؛ دونوں اس چیز پر مشتمل ہوں جو شرع کی جانب سے علت کو علت بنانے کا سبب ہو۔ یعنی یہ علت جو نص میں وارد نہیں اس چیز پر مشتمل ہے جس کو شارع نے علت ہونے کا باعث قرار دیا ہو، یعنی اس میں علّیت کی وجہ بعینہٖ وہی وجہ ہو جو نص میں وارد علت کی ہو) اختتام۔

مثال کے طور پر: صراحتاً علت یعنی نص میں وارد علت جیسے:

»كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ ادِّخارِ لُحُومِ الأَضاحِي لأَجْلِ الدّافَّةِ فَادَّخِرُوها« "میں نے تمہیں رش کی وجہ سے قربانی کے گوشت کو ذخیرہ کرنے سے منع کیا تھا، اب تم اسے ذخیرہ کر سکتے ہو"

»إِنَّمَا جُعِلَ الِاسْتِئْذَانُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ« "(گھر میں داخل ہونے سے پہلے) اجازت لینا نظر پڑنے سے بچنے کے لیے ہے"

ان دونوں میں علت کا ذکر صراحتاً ہے کہ فلاں وجہ سے۔۔۔

مثال کے طور پر علت دلالتاً ہو جیسے:

ا۔علت کی طرف دلالت تنبیہ اور اشارے سے ہو جیسے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: » **مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ**« "جس نے بنجر زمین کو آباد کیا تو وہ اسی کی ہے"، اس میں فائے تعقیب اور تسبیب کو استعمال کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: » **مَلَكْتِ نَفْسَكِ فَاخْتَارِي**« "تم اپنے نفس کے خود مالک ہو، پس منتخب کرو"۔

ب۔ایسے مفہم وصف کا استعمال ہو جو علّیت کا فائدہ دے جیسے:

»**الْقَاتِلُ لاَ يَرِثُ**« "قاتل وارث نہیں ہوتا" قاتل کو ورثاء میں سے نکال دیا گیا، اس کا قاتل ہونا مفہم وصف (causal attribute) ہے۔

»**فِيْ الْغَنَمِ السّائِمَةِ زَكَاةٌ**« "چرنے والے مویشی میں زکوۃ ہے" یہاں زکوۃ کے حکم کو اپنے مالک سے چارہ نہ کھانے بلکہ چراگاہ میں چرنے والے (سائمہ) ہونے پر مرتب کیا گیا، جو کہ مفہم وصف ہے۔

اسی طرح: » **أَيَنْقُصُ الرُّطَبُ إِذَا يَبِسَ؟ قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: فَلا إِذًا**« "تازہ کھجور سوکھ کر کم ہو جاتی ہے؟" کہا: جی ہاں، فرمایا: "تو پھر نہیں"۔اس سے سمجھا گیا کہ تازہ کھجور کو سوکھے کھجور کے بدلے نہ بیچنے کی علت وزن میں کمی ہے۔۔۔الخ

مثال کے طور پر نص میں علت استنباطاً ہو

وہ اس طرح کہ نص اپنے اندر موجود حکم کے الفاظ کی ترتیب و ترکیب وجہ سے علت کے استنباط میں مدد دے، یہ علت صراحتاً یا دلالتاً مذکور نہ ہو:

۔روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روزہ دار کی جانب سے بوسہ لینے کے بارے میں سوال کیا کہ کیا اس سے روزہ ٹوٹتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: » **أَرَأَيْتَ لَوْ تَمَضْمَضْتَ أَكَانَ ذَلِكَ يُفْسِدُ الصَّوْمَ؟**« "کیا خیال ہے کُلی کرنے سے روزہ فاسد ہوتا ہے" انہوں نے کہا: نہیں۔۔۔اس میں بوسہ لینے سے روزہ کے فاسد نہ ہونے کو کُلی کے روزہ کو فاسد نہ کرنے پر قیاس کیا گیا ہے سوائے اس کے کہ اگر کلی کرتے ہوئے پانی پیٹ میں چلا جائے تو روزہ فاسد ہوتا ہے،

اسی طرح بوسہ دیتے ہوئے پانی (مَنی) خارج ہو تو روزہ فاسد ہوتا ہے یعنی اس میں روزے کو فاسد کرنے کی علت انزال ہے اس علت کو "علتِ مستنبط" کہا جاتا ہے۔

- (يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوۡمِ ٱلۡجُمُعَةِ فَٱسۡعَوۡاْ إِلَىٰ ذِكۡرِ ٱللَّهِ وَذَرُواْ ٱلۡبَيۡعَ) "اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے آذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور تجارت چھوڑ دو" (الجمعہ-9)

یہ آیت جمعہ کے احکام کو بیان کر رہی ہے تجارت کے احکام کو نہیں، اگر تجارت سے روکنا جمعہ کی طرف دوڑنے کے واجب ہونے کی علت نہ ہوتی تو یہ جمعہ کے احکام سے مربوط نہ ہوتی، یہ فرمان کہ "تجارت چھوڑ دو" اگرچہ امر کا صیغہ ہے، اور ترک کی طلب- نہی- ہے تاہم یہ نہی مباح سے منع کرنے کے قرینے کی وجہ سے طلبِ جازم ہے مزید یہ کہ خطاب کا موضوع جمعے کی نماز کے لیے دوڑنا ہے، یہ فرض ہے اس لیے آذان کے وقت تجارت کی ممانعت نہی جازم (حتمی نہی) ہے۔

اس آیت سے آذان کے وقت تجارت کے حرام ہونے کی علت کو استنباط کیا گیا جو کہ نماز سے غفلت ہے، اس علت کو علت مستنبطۃ کہا جاتا ہے حکم اس کے گرد گھومتا ہے، اسی لیے قیاس کرتے ہوئے آذان کے وقت تجارت اجارہ یا کوئی بھی ایسا کام حرام ہے جو نماز سے غافل کرے۔

مثال کے طور پر قیاسی علت:

جب نص میں علت دلالتاً ہو اور دلالتاً علت اور اصل حکم کے مابین مؤثر تعلق بھی ہو تو اس تعلق کو استعمال کرتے ہوئے نص میں موجود دلالتاً علت پر نئی علت کو قیاس کیا جا سکتا ہے، اس نئی علت کو قیاسی علت (علت قیاساً) کہا جاتا ہے، یہ بھی نئے احکام کے لیے قیاس میں بالکل اسی طرح استعمال ہوتی ہے جیسے کہ علت کی باقی اقسام۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ علت اور حکم کے درمیان موثر تعلق صرف اس صورت میں پایا جاتا ہے جب علت دلالتاً ایک مفہم وصف ہو (علیت اور تعلیل کے لیے) یعنی وہ وصف علت ہونے کے لیے مفہم ہو، اسی طرح اس سبب کے لیے جس کی وجہ سے اس وصف کو علت سمجھا گیا، کیونکہ یہی سبب علت اور حکم کے مابین موثر تعلق کا تعین کرتا ہے۔

- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: » **لَا يَقْضِي الْقَاضِي وَهُوَ غَضْبَانُ**« "قاضی غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرے" (غصہ) مفہم وصف ہے جس کو حکم کے ساتھ اس طرح ذکر کیا گیا کہ وہ حکم کی علت ہے۔

لیکن یہ مذکورہ علت (دلالتاً) جو کہ غصہ ہے، اور یہ فیصلے پر اثر انداز ہونے کا وصف مفہم ہے اور دلالتاً علت (غصہ) اور اصل حکم (فیصلے سے روکنے) کے مابین مؤثر تعلق بھی موجود ہے اور یہ مؤثر تعلق فکر کا یکسو نہ ہونا اور حالت کا مضطرب ہونا ہے، کوئی بھی نیا مفہم وصف جس میں یہ موثر تعلق ہو جیسے بھوک، تو اسے نص میں اس دلالتاً علت پر قیاس کیا جائے گا اور اس جدید وصف مفہم (بھوک) کو قیاسی علت کہا جائے گا یوں غصہ دلالتاً علت ہے اور بھوک قیاساً علت ہے کیونکہ دونوں علتوں میں مؤثر تعلق مشترک ہے یعنی غصہ اور بھوک میں۔

یہ ساری علتیں شرعی علتیں ہیں کیونکہ یہ سب شرعی نصوص پر مبنی ہیں چاہے صراحتاً ہو، دلالتاً ہو استنباطاً ہو یا قیاساً، ان میں سے کسی علت کو عقلی علت نہیں کہا جائے گا۔ لہٰذا کاغذی نوٹ کی زکوٰۃ اور اس میں سود کی حرمت کے سلسلے میں شرعی نصوص سے ان کے نقدی ہونے کی علت کو اخذ کیا گیا ہے جو کہ شرعی علت ہے، اس استنباط کو ہم نے کتاب الاموال میں بیان کیا ہے، اس کا متن یہ ہے:

"مگر جب یہ نوٹ لازمی ہوں تو یہ نقد اور اشیاء کی قیمت، منافع اور خدمات کی اجرت ہونے کے اہل ہیں، ان سے سونا چاندی خریدا جاسکتا ہے جیسا کہ ان سے سارے سامان اور اعیان خریدے جاسکتے ہیں، کیونکہ ان میں نقدیت اور قیمت ہونا ثابت ہوا جو کہ سونے اور چاندی میں ثابت ہے، ڈھلے ہوئے سونے اور چاندی یعنی دینار اور درھم میں۔ یہ اس لیے کہ سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کے سلسلے میں وارد نصوص کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ دلائل ہیں جو سونے اور چاندی کے بطور اسمائے جنس کے، زکوٰۃ پر دلالت کرتی ہیں، یعنی سونے اور چاندی کے عین میں جو کہ اسم جامد ہیں جس میں تعلیل نہیں ہو سکتی، اس لیے اس پر قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ دوسری معدنیات جیسے لوہا اور پیتل۔۔۔ وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں۔ ابو ہریرہؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص کے پاس سونا اور چاندی ہو اور وہ اس کا حق ادا نہ کرے تو قیامت کے دن ان کو آگ میں گرم کر کے اس کو داغا جائے گا" اسے ترمذی کے علاوہ پانچوں نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں لفظ سونا اور چاندی ہے جو کہ اسمائے جامدہ ہیں جن کی تعلیل (علت بنانا) نہیں ہو سکتی۔

دوسری قسم: وہ دلائل ہیں جو سونے اور چاندی پر بطور نقد اور قیمت و اجرت کے زکوٰۃ پر دلالت کرتی ہیں، ان دلائل میں سے علت کا استنباط کیا جاسکتا ہے، جو کہ ان کا نقدی ہونا ہے، اسی لیے لازمی کاغذی نوٹ کو اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ان

کے اندر بھی یہی علت موجود ہے، اس نقدی پر زکوٰۃ کے احکام لاگو ہوتے ہیں، جو کہ مارکیٹ میں سونے یا چاندی سے مساوی ہونے کے لحاظ سے ہے۔ علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر تمہارے پاس دو سو درھم ہوں اور ان پر سال بھی گزر جائے تو ان پر پانچ درھم زکوٰۃ ہے، سونے میں بیس دینار پورے ہونے تک کچھ بھی نہیں جب بیس دینار ہو جائیں اور ان پر سال بھی گزر جائے تب نصف دینار زکوٰۃ ہے" اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح علیؓ کا یہ قول بھی ہے "ہر بیس دینار پر نصف دینار زکوٰۃ ہے، ہر چالیس دینار میں ایک دینار زکوٰۃ ہے" علیؓ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "۔۔۔رِقہ چاندی کی زکوٰۃ نکالو ہر چالیس درھم میں ایک درھم، ایک سو ننانوے پر کچھ نہیں، جب دو سو مکمل ہو جائیں تو پانچ درھم" اسے بخاری اور احمد نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح عبدالرحمن الانصاری نے زکوٰۃ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ اور عمرؓ کے خطوط میں روایت کیا ہے کہ: "۔۔۔دو سو درھم پورا ہونے تک اس پر کچھ نہیں لیا جائے گا" اسے ابو عبید نے روایت کیا ہے۔

یہ تمام احادیث نقدیت اور قیمت پر دلالت کرتی ہیں؛ کیونکہ الرقہ کا لفظ قرینہ "ہر چالیس میں ایک درھم" کے ساتھ ہے، الورق، الدینار اور الدرھم کے الفاظ ڈھلے ہوئے اور کرنسی بنائے ہوئے سونے چاندی کے لیے استعمال ہوتے ہیں، یعنی جو نقدی اور قیمت ہیں، سونے اور چاندی کو ان الفاظ سے تعبیر کرنا ہی احادیث کے مراد کو واضح کرتا ہے یعنی نقدیت اور قیمت کو، اسی لیے بہت سارے شرعی احکام ان سے منسلک ہو گئے جیسے زکوٰۃ، دیت، کفارے، چوری میں ہاتھ کاٹنا وغیرہ جیسے احکام۔

چونکہ لازمی کاغذی نوٹ کے اندر بھی یہی نقدیت اور قیمت بننا موجود ہے تو یہ بھی احادیث میں دونوں نقدیوں یعنی سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کے زُمرے میں آگئے اور ان میں بھی زکوٰۃ فرض ہے، جیسا کہ سونے چاندی میں فرض ہے، جس کا اندازہ سونے اور چاندی کے نصاب کے لحاظ سے کیا جائے گا۔ چنانچہ جس کے پاس ان کاغذی نوٹوں میں سے اتنا ہو کہ جو سونے کے بیس دینار کے برابر ہو یعنی 85 گرام سونے کے برابر ہو تو وہ صاحبِ نصاب ہے یا اس کے پاس اتنے کاغذی نوٹ ہوں جو 200 درھم کے برابر ہوں یعنی 595 گرام چاندی کے برابر ہوں اور ان پر سال بھی گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے اور ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی" اقتباس ختم۔

لہٰذا یہ نہیں کہا جائے گا کہ نقدی ہونا یا قیمت ہونا عقلی علت ہے بلکہ یہ ادلہ شرعیہ سے شرعی طور پر مستنبط علت ہے، یہ اوپر مذکور صراحتاً، دلالتاً، استنباطاً اور قیاساً علتوں کی اقسام میں سے ہی ہے، جو کہ ساری کی ساری شرعی علتیں ہیں۔

8۔ تجارتی سامان میں زکوٰۃ فرض ہے چاہے یہ سامان جائیداد ہو یا کپڑے، اناج یا مویشی۔۔۔الخ، اس کی دلائل ہم نے کتاب الاموال فی دولۃ الخلافۃ میں اس طرح بیان کیے ہیں:

"سامان تجارت نقد کے علاوہ ہر وہ چیز ہے جس کی تجارت کی جاتی ہے، منافع کمانے کے ارادے سے بیچا اور خریدا جاتا ہے، جیسے کھانے پینے کی اشیاء، ملبوسات، مفروشات (کارپٹ قالین فرنیچر وغیرہ)، مصنوعات، حیوانات، معدنیات، زمین، عمارتیں وغیرہ جو بیچے اور خریدے جاتے ہیں۔

جس سامان کی تجارت ہوتی ہے ان پر زکوٰۃ فرض ہے، اس میں صحابہؓ کا کوئی اختلاف نہیں۔ سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے: "امابعد، رسول اللہ ﷺ ہمیں ان اشیاء کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتے تھے جن کی ہم تجارت کرتے تھے" اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ ابو ذرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«وفي البَزِّ صدقته»** "**البَزّ** پر زکوٰۃ" ہے "دارقطنی اور بیہقی۔ "**البَزّ**" وہ کپڑے جن کی تجارت کی جاتی ہے، ابو عبید نے ابو عمرہ بن حماس سے ان کے والد کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ: "عمر بن خطابؓ میرے پاس سے گزرے اور کہا: اے حماس اپنے مال کی زکوٰۃ دیا کرو، میں نے کہا: میرے پاس کھالوں اور چمڑوں کے علاوہ کوئی مال نہیں، فرمایا: ان کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کیا کرو"۔

عبد الرحمن بن عبد القاری سے روایت ہے کہ: "میں عمر بن خطابؓ کے زمانے میں بیت المال میں ہوتا تھا، جب عطاء (بخشش) نکالی جاتی، تو وہ تاجروں کا مال جمع کرتے اور حساب کرتے موجود کا اور غائب کا، پھر موجود مال سے موجود اور غائب دونوں مالوں کی زکوٰۃ لیتے" اسے ابو عبید نے روایت کیا ہے، اسی طرح ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ: "جو غلام یا یونیفام (کپڑے) تجارت کے لیے ہوں ان میں زکوٰۃ ہے"۔ تجارت میں زکوٰۃ کی فرضیت کی روایت عمرؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ساتوں فقہاء حسن، جابر، طاؤس، نخعی، ثوری، اوزاعی، شافعی، احمد، ابو عبید، اصحاب رائے اور ابو حنیفہ وغیرہ سے مروی ہے۔

سامان تجارت میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب ان کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو اور اس پر سال بھی گزر جائے۔

تاجر نے اگر نصاب سے کم مال سے تجارت شروع کی اور سال کے آخر میں وہ صاحبِ نصاب ہو جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں؛ کیونکہ نصاب مکمل ہونے کے بعد سال نہیں گزرا، صاحبِ نصاب ہونے کے بعد سال گزرنے پر ہی اس پر زکوٰۃ فرض ہو گی۔

اگر تاجر نے نصاب سے زیادہ مال سے تجارت شروع کی مثلاً وہ ایک ہزار دینار سے تجارت شروع کرے اور سال کے آخر تک اس کی تجارت پھل پھول کر تین ہزار دینار کے برابر ہو جائے تو اس پر تین ہزار دینار کی زکوۃ ادا کرنا فرض ہے، صرف اس ایک ہزار پر نہیں جسے تجارت شروع کی تھی؛ کیونکہ اس کی نشو نما اسی کے تابع ہے" ختم۔

لہذا تجارتی پلاٹس پر زکوۃ مندرجہ بالا طریقے سے ہو گی۔

9۔ جس وقت آپ صاحبِ نصاب بن جائیں تو اپنے مال کی زکوۃ کو مندرجہ ذیل طریقے سے مربوط کر سکتے ہیں:

۔جب نصاب مکمل ہو جائے وہ تاریخ لکھ لیں۔

۔نصاب مکمل ہونے کے بعد ایک ہجری سال مکمل ہو تو اپنے مال کا حساب لگائیں کہ نصاب مکمل ہے یا کہ زیادہ ہے

۔اس تمام مال کی زکوۃ ادا کریں جو آپ کے پاس موجود ہے، صرف اس کی نہیں جو نصاب سے زیادہ ہے یعنی نصاب کے برابر مال کی بھی اور زیادہ کی بھی۔

۔پھر ہر سال اسی تاریخ کو اپنے مال کا حساب لگائیں اور زکوۃ ادا کریں چاہے اس میں جتنا بھی اضافہ ہو جائے۔

10۔ اگر صاحب نصاب بننے کی تاریخ یاد نہ رہے تو اندازہ لگایا جائے گا مگر اندازہ لگاتے ہوئے مستحقین زکوۃ کے فائدے کو پیش نظر رکھا جائے گا کیونکہ مال میں ان کا حق صاحبِ مال کے حق پر مقدم ہے۔۔۔یعنی اگر تاریخ محرم اور شعبان کے درمیان ہو تو شعبان کی بجائے محرم سے حساب کریں کیونکہ یہ اللہ کے دین کے حوالے سے زیادہ احتیاط پر مبنی ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ یہ وضاحت کافی ہو

آپ کا بھائی عطاء بن خلیل ابو رَشتہ

27 جمادی الآخرۃ 1439

بمطابق 15 مارچ، 2018

فہرست

سوال وجواب: ایرانی ایٹمی سائنس دان فخری زادہ کا قتل

(عربی سے ترجمہ)

سوال: 6 دسمبر 2020 کو فرانس-24 نے ایران پاسداران انقلاب کے نائب سربراہ بریگیڈئر جنرل علی فدوی کا بیان نشر کیا کہ، "محسن فخری کو ایک مشین گن کی تیرہ گولیوں کے ذریعے قتل کیا گیا جس نے فخری زادہ کی شکل کو ایک جدید کیمرے اور آرٹی فیشل انٹیلی جنس کی مدد سے نشانہ بنایا"۔ اس سے قبل 2 دسمبر 2020 کو گارڈین کونسل، جو ایرانی شوریٰ کونسل (پارلیمنٹ) کے کام کی نگرانی کرتی ہے، نے یورینیم کی افزودگی میں 20 فیصد اضافے کے قانون کی منظوری دی تھی اور پھر محسن فخری کے قتل کا واقعہ ہوا۔۔اسی قانون کی وجہ سے صدر حسن روحانی کی حکومت، جو کہ اس قانون کو "نقصان دہ" کہہ کر اس کی مخالفت کر رہی تھی، اور پارلیمنٹ کے درمیان تنازع شروع ہوا۔ پارلیمنٹ نے نوشتوں کے ساتھ اس قانون کو منظور کیا تھا! ایران میں مسلمانوں کے ایک اہم ترین ایٹمی سائنسدان کے قتل کے بعد انتقامی اقدامات کی بجائے باہمی اختلافات کیسے پیدا ہو سکتے ہیں، خاص طور پر جب ایران نے خود کہا کہ اس قتل کے پیچھے یہود کی ریاست ہے؟ کیا یہ اختلاف ایٹمی سائنسدان کے قتل کے معاملے کو دبانے کے لیے ہے جیسا کہ قاسم سلیمانی کے قتل کے معاملے کو ایرانی حکومت نے دبا دیا تھا؟

جواب: جواب کو واضح کرنے کے لیے ہم مندرجہ ذیل امور کی وضاحت کریں گے:

اول: جمعہ 27 نومبر 2020ء کو ایرانی وزارت دفاع کے عہدہ دار اور ایٹمی سائنسدان محسن فخری زادہ کو جس جگہ اور جس طریقے سے قتل کیا گیا یہ ایرانی حکومت کے لیے بڑا چیلنج ہے۔ یہ قتل جنوری 2020ء میں القدس فورس کے کمانڈر قاسم سلیمانی کے قتل سے کم اہم نہیں، کیونکہ سفارتکاروں کے رپورٹس میں ان کو "ایرانی ایٹم بم کا باپ" کہا گیا ہے (بی بی سی 2020/11/27)۔ یہ ایران کے ایٹمی اور میزائل پروگرام کے حوالے سے مرکزی شخصیت تھے اور ان کے قتل کا یہ واقعہ ایران کے اندر بلکہ دارالحکومت تہران کے قریب ہوا، سلیمانی کے قتل کی طرح عراق میں نہیں ہوا، اور قتل کا طریقہ کار جس میں بارود سے بھری گاڑی اور خودکار اسلحہ (مشین گن) استعمال کی گئی، یہ بھی ہر لحاظ سے ایران کے لیے بڑا چیلنج ہے۔ اگرچہ ایرانی ایٹمی سائنسدانوں کے قتل کا سلسلہ کبھی نہیں رُکا اور ایرانی حکومت ہمیشہ یہودی ریاست پر الزام لگا کر اس کو مناسب وقت اور مناسب جگہ جواب دینے کی دھمکی دیتی رہی ہے مگر حسبِ عادت اس نے کبھی جواب دیا نہیں، تاہم موجودہ بین الاقوامی

صورتحال، جس میں قتل کا یہ واقعہ ہوا، مختلف ہے خاص کر امریکی انتخابات کے نتائج سے پیدا ہونے والی صورتحال میں جب امریکہ اندرونی طور پر تقسیم ہے۔

دوئم: قتل کے اس واقع کا الزام ایران نے یہود کی ریاست پر لگانے میں جلد بازی سے کام لیا، یہ ممکن تھا کہ اس کو یہود کی جانب سے ایرانی ایٹمی اور میزائل صلاحیتوں کو کم کرنے کی کوششوں کا حصہ کہا جاتا۔ اسی طرح یہودی وجود کے لیے بھی ممکنہ انتقامی کاروائی سے بچنے کے لیے چھپنا اور حسب عادت تردید کرنا ممکن تھا، مگر اِس بار اُس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ ایسے اشاروں سے، جو اعتراف کے قریب ہیں، یہ بتایا کہ اسی نے یہ قتل کیا ہے، اور ایسا کرنا ٹرمپ انتظامیہ کی جانب سے گرین سگنل کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ یقیناً ٹرمپ انتظامیہ کم از کم یہودی وجود کی جانب سے اس قتل پر مطمئن تھی! اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ ٹرمپ نے قتل کے اس واردات کی خبر کو ٹوئیٹ کیا اور فخری زادہ کے قتل کے بارے میں "نیویارک ٹائمز" کی رپورٹ کو ٹویٹ کیا۔ اسی طرح ٹرمپ نے اسرائیلی صحافی یوسی میلمن کی فخری کے قتل کے بارے میں ٹویٹ کو رِی ٹوئیٹ کیا جس میں اس نے کہا کہ یہ سائنسدان ایران کے خفیہ عسکری ایٹمی پروگرام کے سربراہ تھے اور یہ سالہا سال سے اسرائیلی انٹیلی جنس ایجنسی موساد کو مطلوب تھے اور اس کا قتل نفسیاتی اور پیشہ ورانہ لحاظ سے ایران پر کاری ضرب ہے۔۔۔(آر ٹی 2020/11/27) گویا کہ یہ ایران کو چیلنج ہے کہ کوئی انتقامی کارروائی کر کے دیکھاؤ!

2۔ الجزیرہ ٹی وی نے 28 نومبر 2020 کو اپنی ویب سائٹ پر یہودی وجود کے وزیر اعظم نیتن یاہو کے اشارے کا ذکر کیا جس میں وہ خلافِ عادت اسرائیل کے اس قتل کے ذمہ دار ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔ "اسرائیلی وزیر اعظم بینجمن نیتن یاہو نے ایک ریکارڈ شدہ کلپ جاری کی جس میں انہوں نے غیر معمولی طور پر ان کامیابیوں کا جائزہ لیا جو انہوں نے گذشتہ ہفتہ کے دوران حاصل کی تھیں۔ یہ حیرت انگیز تھا کہ نیتن یاہو نے ریکارڈنگ کا آغاز یہ کہہ کر کیا کہ وہ اپنی تمام کامیابیوں کا نہیں بلکہ کچھ کامیابیوں کا جائزہ لیں گے کیونکہ وہ ایسا (سب کا ذکر) نہیں کر سکتے"۔ یعنی یہودی وجود نے تردید نہیں کی اور نہ ہی چھپایا بلکہ اشاروں کنایوں سے ذمہ داری کا اعتراف کیا۔ اسی طرح دنیا بھر میں اُس نے اپنے سفارتخانوں میں ہائی الرٹ کا اعلان کر دیا۔

3۔ دھمکی کے طور پر امریکہ نے 27 نومبر 2020 کو، یعنی خانزادے کے قتل کے دن، اعلان کیا کہ امریکہ ائیر کرافٹ کیریئر "یو ایس ایس نیمیٹز" کو دیگر جنگی جہازوں کے ساتھ خلیج روانہ کرے گا۔۔۔ قتل سے کچھ دیر پہلے بی-52 بمبار طیارے خلیج روانہ کیے گئے۔ قتل کے انجام پانے کے بعد ٹرمپ نے سخت جواب دینے کی دھمکی دی، "واشنگٹن پوسٹ نے

امریکی عہدہ داروں کے حوالے سے خبر دی کہ صدر ٹرمپ نے عراق میں کسی امریکی کے قتل کی صورت میں سخت اور 'بھرپور' جواب دینے کی دھمکی دی ہے۔ اس دھمکی کا ذکر واشنگٹن پوسٹ نے جمعہ کے دن تہران کے قریب ایرانی ایٹمی سائنسدان محسن فخری زادہ کے قتل کے وقت کیا"(الحرۃ 2020/11/28)۔

سوم: اس کا یہ مطلب ہے کہ ٹرمپ انتظامیہ اور یہودی وجود یہ جانتے ہیں کہ امریکہ میں انتقالِ اقتدار کے دنوں میں ایران ہرگز کوئی بھرپور جوابی کارروائی نہیں کرے گا خاص کر جبکہ ایران یہ امید کرتا ہے کہ منتخب امریکی صدر بائیڈن اس کے لیے کچھ نیا لائے گا! یاد رہے کہ ٹرمپ اور بائیڈن میں اختلاف صرف اسلوب کا ہے ورنہ دونوں کے لیے امریکی مفاد امریکی ایجنٹوں اور امریکہ کے مدار میں گردش کرنے والے تمام پیروکاروں سے مقدم ہے، جو اس بات پر غور کرے وہی اس بات کو خوب طرح سمجھے گا۔۔۔ یوں ایرانی حکومت جواب دینے کے حوالے سے تردد اور پس وپیش سے کام لے رہی ہے اور عسکری جواب، جو کہ عوام کا مطالبہ ہے، سے رائے عامہ کی توجہ ہٹانے کے لیے دوسرے مسائل پر توجہ دے رہی ہے:

1۔ ایران ایٹمی اور میزائل پروگرام کے اہم عہدہ دار کے قتل پر قتل کا ارتکاب کرنے والے یہودی وجود کو جاننے کے باوجود اس قتل کو ایران میں "افراتفری" پھیلانے کے لیے ایک جال قرار دے رہا ہے۔ ایرانی صدر روحانی نے کہا کہ اس منصوبہ ساز کے پس پردہ ٹرمپ ہے "وہ یہاں انتشار پھیلانا چاہتے ہیں مگر ان کو جان لینا چاہیے کہ ہم نے ان کے کھیل کا پردہ فاش کیا، وہ اپنے خبیث اہداف کو حاصل نہیں کر پائیں گے "۔۔۔ ایران جانتا ہے کہ کون اس کو مار رہا ہے، وہ پہلے بھی اس کے سائنسدانوں کے قتل کے ذریعے اس کو مارتا رہا ہے، شام اور عراق میں اس کے فوجیوں کو قتل کر رہا ہے، اس کے باوجود ایران جواب نہ دینے اور جال میں نہ پھنسنے کی بات کرتا ہے۔۔۔ وہ امریکہ میں بائیڈن کے صدر بننے کا انتظار کر رہا ہے! یہ ہے ایران جو ہمیشہ "شیطان بزرگ" کا واویلا کرتا ہے اور "مرگ بَر امریکہ مرگ بَر اسرائیل" کے نعرے لگاتا ہے۔ ٹرمپ انتظامیہ نے امریکہ اور ایران کی دشمنی کا بھانڈہ پھوڑ دیا جب اس نے پاسداران انقلاب کے القدس بریگیڈ کے قائد قاسم سلیمانی کو 2020ء کے اوائل میں عراق میں قتل کیا اور پھر ایران سے رائے لیے بغیر ہی کاظمی کو عراق کا وزیر اعظم بنایا، اور یہ سب کچھ کرتے ہوئے مریکہ نے ایران کی جانب سے عراق اور شام میں امریکی مفادات کے حصول کے لیے خدمات کو نظر انداز کر دیا۔۔۔!

2۔ دوسرا معاملہ جس پر ایران عسکری جواب سے توجہ ہٹانے کے لیے توجہ مرکوز کر رہا ہے وہ یورینیم کی افزودگی میں 20 فیصد اضافے کا معاملہ ہے، جیسا کہ ایٹمی معاہدے سے پہلے یہی شرح تھی، اور اس معاہدے میں اس کو افزودگی کم کر کے

3.67 فیصد تک لانے کا پابند کیا گیا تھا۔ یہ اضافہ ہونا چاہیے مگر یہ عسکری جواب سے توجہ ہٹانے کے لیے حکومت اور دوسری کمیٹیوں کے درمیان اختلاف کا نکتہ نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ مجلس شوریٰ اس کو خیر اور حکومت اسے شر کہہ رہی ہے! ایرانی صدر حسن روحانی نے بدھ کے دن حکومتی اجلاس کے موقع پر ایٹمی سائنسدان محسن فخری زادہ کے قتل کا جواب دینے اور امریکی پابندیوں کا مقابلہ کرنے کے قانون کی مخالفت کا اعلان کیا جسے قدامت پسند ایرانی پارلیمنٹ نے منگل کے دن منظور کیا تھا۔ ایرانی ٹی وی کے مطابق صدر روحانی نے پارلیمنٹ کی قراردادوں کو 'نقصان دہ' قرار دیا۔۔۔ان قراردادوں میں سے اہم ایرانی پارلیمنٹ کی جانب سے یورینیم کی افزودگی میں 20 فیصد تک اضافہ اور عالمی ایٹمی توانائی کے اضافی پروٹوکول پر عمل درآمد کو معطل کرنا ہے،۔۔۔یاد رہے کہ ایران ایٹمی معاہدے سے قبل 20 فیصد یورینیم افزودہ کرتا تھا مگر معاہدے کے مطابق اس افزودگی کو کم کر کے 3.67 فیصد کرنے کا عہد کیا تھا"۔۔۔(العربی الجدید 2020/12/2)۔ "ایرانی پارلیمنٹ کے اقدامات کی نگرانی کرنے والی آئینی کمیٹی نے یورینیم افزودگی میں اضافے کا قانون منظور کیا پھر ایٹمی سائنسدان کے قتل کے بعد اس پر عمل کرنے کا اعلان کیا۔۔۔ مگر اس قانون کی وجہ سے حکمران اشرافیہ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا اور حسن روحانی کی حکومت نے اس کی مخالفت کی"(رشیاٹوڈے 2020/12/2)۔

چہارم: اس سب کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ٹرمپ انتظامیہ نے ایران کے ساتھ اپنے رابطے منقطع کر دیے ہیں، بلکہ اس نے ایران کی توہین اور تذلیل میں اضافہ کیا ہے، وہ چاہتا ہے کہ ایران کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اس کی خدمت کرے، یعنی مکمل طور پر امریکی مفادات اور امریکی انتظامیہ کی خواہش کے مطابق چکر کاٹتا رہے چاہے وہ مفادات اور خواہشات جیسے بھی بدلتے رہیں۔ اس سے قبل بھی قاسم سلیمانی کو قتل کیا گیا، اور ایران نے دھمکیاں دی، پھر نتیجتاً ایران کی جانب سے عراق میں عین الاسد کے اڈے پر "سوچ سمجھ کر" اور "باہمی اتفاق" سے فائرنگ کی گئی، جس کے بعد دھمکی ختم ہو گئی! اگرچہ ایران کے بیرونی آلہ کار کسی حد تک انتقام لینے کی قدرت رکھتے ہیں مگر ایران ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ القدس العربی اخبار نے 24 نومبر 2020 کو برطانوی اخبار نے "میڈل ایسٹ آئی" کے حوالے سے خبر نشر کی کہ ایران عراق میں اپنی ملیشیا پر دباؤ ڈال کر ان کو امریکی مفادات کو نشانہ بنانے سے باز رکھتا ہے، اخبار نے کہا" گزشتہ ہفتے گرین زون میں امریکی سفارت خانے پر میزائل داغے جانے کے 24 گھنٹے بعد القدس بریگیڈ کے سربراہ جنرل اسماعیل قانی بغداد پہنچ گئے اور عراقی ملیشیاؤں کو امریکی تنصیبات کو نشانہ بنانے سے باز رہنے کا حکم دیا"۔

پنجم: امریکی پشت پناہی کے ساتھ یہودی ریاست کے اس حملے اور اس کے نتیجے میں بڑھنے والی کشیدگی کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ:

1۔ صدر ٹرمپ کی جانب سے یہودی ریاست کے ساتھ قربت کے اقدامات، جیسا کہ امریکی سفارتخانے کی القدس منتقلی، یہود کی جانب سے شام کی گولان مقبوضہ پہاڑیوں کو ضم کرنے کے اعلان کو تسلیم کرنا اور ڈیل آف دہ سنچری اور اس میں شامل یہود کو خوش کرنے کے اقدامات، کے بعد ٹرمپ انتظامیہ اب اس نتیجے پر پہنچ گئی ہے کہ ایران کا ایٹمی پروگرام یہودی وجود کے لیے خطرہ ہے جس کو ختم کرنا یا روکنا ضروری ہے، اسی لیے ٹرمپ انتظامیہ اس حوالے سے سابقہ حکومتوں کی نسبت تیزی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔۔۔اس طرف توجہ دلانا بھی مناسب ہے کہ سفید فام امریکیوں میں سے "کنزرویٹیو کرسچن"، جو کہ ریپبلیکن حامی ہیں، یہودی وجود کے دفاع کی پالیسی کی حمایت کرتے بلکہ اس کو سیاست سے بالاتر "مذہبی" فکری معاملہ سمجھتے ہیں۔

2۔امریکہ میں سیاسی تقسیم اور گرما گرمی کے بڑھنے کے بعد ٹرمپ انتظامیہ ایران کے ساتھ حالات کشیدہ کرکے مشرق وسطیٰ میں افراتفری پھیلا کر نو منتخب ڈیموکریٹک صدر بائیڈن کے لیے مسائل پیدا کرنا چاہتی ہے تاکہ امریکہ میں صدارت کا منصب سنبھالنے کے بعد وہ تیل والے علاقوں میں موجود تنازعات میں بھرپور طریقے سے مداخلت کرے، اور یہ امریکی تیل، توانائی اور اسلحہ کمپنیوں کی اسٹریٹیجک نقطۂ نظر کے مطابق ہے جو امریکی پالیسیوں پر اپنے اثر کو بڑھا رہی ہیں۔۔۔

3۔امریکی انتخابات کے نتیجے میں اگرچہ اب تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا لیکن امریکی تیل، توانائی اور اسلحے کی کمپنیوں، جو کہ ٹرمپ کے لیے انتخابی مہم چلا رہی تھیں، کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ:

۔ایسا لگتا ہے کہ ان کمپنیوں کو امریکہ میں اندرونی طور پر نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اور وہ امریکہ کے دوبارہ ماحولیات کے پیرس معاہدے میں شمولیت سے بھی پریشان ہیں جس سے ان کو بڑا نقصان ہوگا۔۔۔ خصوصاً کورونا کے دوران تیل کی قیمتوں کے حوالے سے یہ کمپنیاں متاثر ہوسکتی ہیں اور نقصان کا یہ سلسلہ 2021ء کے آواخر تک جاری رہنے کا امکان ہے۔۔۔اس کے ساتھ نو منتخب صدر بائیڈن کی جانب سے ایران کے ساتھ ایٹمی معاہدے کو کسی نہ کسی طرح دوبارہ شروع کرنے کا بھی امکان ہے جس سے ان کمپنیوں پر اثر پڑے گا۔۔۔

۔ اس خوف کے ماحول میں یہ کمپنیاں ٹرمپ انتظامیہ کی بقیہ مدت سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہیں، خاص طور پر جب امریکی عدالتیں ٹرمپ کی جانب سے انتخابی نتائج میں دھاندلی کے الزامات کو مسترد کر رہی ہیں جس سے اس بات کے امکانات کم ہوتے جا رہے ہیں کہ ٹرمپ انتخابی نتائج کو مسترد کروا سکے، اسی وجہ سے یہ کمپنیاں ٹرمپ انتظامیہ کو خلیج میں افراتفری پر اُبھار رہی ہیں اور یہ سب تیل کی قیمتیں بڑھانے اور اسلحہ فروخت کرنے کے معاہدوں میں اضافہ کرنے کے لیے ہو رہا ہے۔

ششم: خلیج میں کشیدگی کا ماحول، اس بات کا باعث بن سکتا ہے کہ انتقامی کارروائی کا رخ یہودی وجود سے ہٹا کر دوسری جانب یعنی سعودی عرب اور امارات کی طرف موڑ دیا جائے، اور اس عمل کے لیے جواز پیدا کرنا آسان بھی ہے کہ ان ملکوں نے یہودی وجود کے ساتھ پس پردہ یا کھلم کھلا تعلقات قائم کر لیے ہیں۔۔۔ایران قتل کا بدلہ "منافقین" یعنی سعودی عرب، امارات اور بحرین سے لینے کی بات کر رہا ہے۔یہودی ریاست کی جانب سے ایسے اشاروں کے باوجود کہ جو حملے کی ذمہ داری قبول کرنے کے قریب قریب تھے، ایران آرام سے یہ کہہ سکتا ہے کہ سعودی عرب نے تہران کے قریب یہ حملہ کیا ہے، وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ سعودی عرب نے ہی ایران کے اندر "یہودی اقدام" کے لیے ساز باز کی اور یہ سب کچھ سعودی فنڈنگ سے ممکن ہوا خاص کر جب یہودی وجود کے وزیر اعظم کے 23 نومبر 2020 کو سعودیہ کے خفیہ دورے اور بن سلمان سے ملاقات کی خبریں شائع ہوئی ہیں جس میں امریکی وزیر خارجہ پومپیو بھی موجود تھے۔اس سب سے سعودیہ کو اس قتل میں ملوث کرنا آسان ہے۔۔۔اسی طرح امارات کو جواب دینے کا بھی امکان ہے جیسا کہ الجزیرہ نے یکم دسمبر 2020 کو اپنی ویب سائٹ پر برطانوی "میڈل ایسٹ آئی" کے حوالے سے خبر نشر کی کہ ایران نے "فخری زادہ کے قتل کے جواب میں امارات پر براہِ راست عسکری حملے کی دھمکی دی ہے۔ برطانوی ویب سائٹ نے نام لیے بغیر اماراتی ذرائع کے حوالے سے خبر دی کہ ایران نے ابو ظہبی کے ولی عہد محمد بن راشد سے براہ راست رابطہ کر کے فخری زادہ کے قتل کے بدلے اس پر حملے کی دھمکی دی۔۔۔"۔اسی طرح ایران کا جواب سعودی تیل تنصیبات پر حملوں کے لیے حوثیوں کو مزید میزائل اور ڈرون دینے کی شکل میں بھی ہو سکتا ہے، جبکہ یہ کام پہلے سے جاری ہے اور اس میں اضافہ مشکل نہیں۔۔۔اگر ایران اس سمت متوجہ ہوا تو یہ اپنی قوم کے ساتھ دھوکہ دہی ہو گی جو قتل کے حقیقی محرک ملک کو جواب دینے کا مطالبہ کر رہی ہے نہ کہ اس کے مدار میں گردش کرنے والے ممالک کو جواب دینے کا!

ہفتم: مسلمان سائنسدان پے در پے قتل کیے جا رہے ہیں، خاص طور پر ایرانی ایٹمی سائنسدان، اور چونکہ جوابی اقدام نہیں کیا جا رہا اس لیے یہ عمل دہرایا جا رہا ہے! فلسطین کی زمین کو غصب کرنے والی بدنما ریاست ایسے عمل کرتی ہے اور کرتی رہے گی! یہ کتنا اندوہناک امر ہے کہ مسلمانوں کی سرزمین پر حکمرانی کرنے والے عزت کے بدلے ذلت قبول کرتے رہتے ہیں۔۔۔ استعماری کافروں کے ایجنٹ یا ان کے مدار میں گردش کرنے والے بنتے رہتے ہیں۔۔۔ جو مسلمانوں پر ہونے والے ظلم پر خاموش رہتے ہیں، ان کی حرمتوں کی پامالی پر اعتراض بھی نہیں کرتے۔۔۔ خلافت کے خاتمے کے بعد ہی مسلمان اس حال کو پہنچے ہیں۔ مسلمانوں کو ان احمق حکمرانوں کے ذریعے آزمائش کا سامنا ہوا جو ٹس سے مس نہیں ہوتے! مسلمانوں کی عزت خلافت کی واپسی سے ہی لوٹ سکے گی کہ جس کا خلیفہ ایک رومی کی جانب سے ایک عورت کی توہین پر خود فوج کی قیادت کرتے ہوئے اس کی مدد کو پہنچتا ہے اور اس کی سرزمین کو فتح کرتا ہے۔۔۔ یوں مسلمانوں کی عزت بحال ہو گی جب ایسے جواں مرد اٹھیں گے جن کے لیے دنیا کی لذتیں کوئی معنی نہیں رکھیں گی اور جو کچھ اللہ القوی اور العزیز کے پاس ہے وہ صرف اسی کے متمنی ہوں گے۔ ایسے جواں مرد اٹھیں گے اور ان حکمرانوں کو نکال باہر کریں گے، تب جابرانہ دور کا خاتمہ ہو گا۔ یہ جواں مرد اللہ کی توفیق سے امت کی حالت بدل دیں گے، وہی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ، عزت اور سعادت کی ریاست، خلافتِ راشدہ الثانی کے قیام کے لیے اپنے مومن بندوں کی مدد کرنے والا ہے۔ یہی خلافت یہودی ریاست کے وجود کا خاتمہ کرے گی، امریکہ اور اسلامی سرزمین کی طرف ہاتھ بڑھانے والی باقی استعماری ریاستوں کے ہاتھ کاٹ دے گی، اور اسلامی سرزمین قیامت تک کے لیے ان پر حرام بنائے گی، تب ہی مسجدوں کے میناروں سے بار بار اللہ کے اس فرمان کی صدا آئے گی:

﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقاً﴾

"کہہ دو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے والا ہی تھا" (الاسراء: 81)

﴿وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَرِيباً﴾

"کہتے ہیں یہ کب ہو گا کہہ دو کہ ممکن ہے کہ یہ قریب ہی ہو" (الاسراء: 51)۔

22 ربیع الثانی 1442

7 دسمبر 2020

فہرست

سوال وجواب: ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں قرآن کریم کا جمع کیا جانا

(عربی سے ترجمہ)

صوت التحریر کے سوال کا جواب

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرا ایک سوال ہے جو ابو بکرؓ کی جانب سے قرآن کو جمع کرنے کے بارے میں ہے، کیا قرآن کریم کے نسخے تھے یا لکڑی کی تختیاں تھیں جن پر قرآن کریم لکھا ہوا تھا؟ مجھے اس موضوع کے حوالے سے اسلامی شخصیہ کتاب میں تبنی اور امیر حفظ اللہ کے جواب کا علم ہے، کتاب تیسیر الوصول الی اصول کا بھی، یہ سب کہتی ہیں کہ ابو بکرؓ نے قرآن کو ان تختیوں سے اکھٹا کر کے جمع کیا کسی نسخے سے نہیں، مگر میں نے بعض ایسی نصوص پڑھیں ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جمع سے مقصود بعض کو بعض کے ساتھ یکجا کرنا نہیں بلکہ ان تختیوں کے نسخے بنانا ہے، یہ نصوص مندرجہ ذیل ہیں:

کتاب "المرشد الوجيز الى علوم تتعلق بالكتاب العزيز" جو کہ شہاب الدین عبدالرحمن بن اسماعیل بن ابراھیم المعروف بابی شامہ المقدسی، المتوفی 665 ہجری کی تالیف ہے، کے اقتباسات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قرآن کا جمع کرنا اس کے نسخے بنانا اور ان صحائف سے نقل کر کے لکھنا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہی ایک کتاب میں لکھے گئے تھے، ان صحائف کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کرنا نہیں،۔۔۔الخ مجھے اس کے اور شخصیہ اسلامیہ میں جو لکھا ہے اس کے درمیان تعارض نظر آتا ہے، اسی طرح سوال کے جواب کے ساتھ بھی۔ ہم نسخے بنانے کی نفی کرتے ہیں، جمع کرنے سے مراد ان تختیوں کو جمع کرنا سمجھتے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھا گیا تھا، جبکہ یہ دلائل اس کو ثابت کرتے ہیں۔

ان کے درمیان موافقت کی کیا صورت ہو گی بارک اللہ فیکم۔ ختم شد

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

1۔ قرآن کو جمع کرنے کے مسئلے کو ہم نے اپنی کتابوں میں واضح انداز میں بیان کیا ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کے تختیوں، چمڑے کے ٹکڑوں اور ہڈیوں پر لکھے گئے صحیفوں کو ابو بکرؓ کے زمانے میں جمع کرنا ہے، یہ وفات تک ابو بکر کے پاس رہے، پھر

وفات تک عمرؓ کے پاس رہے، اس کے بعد حفصہؓ کے پاس رہے۔۔۔ عثمانؓ کے عہد میں ان جمع کیے گئے ٹکڑوں کے نسخے تیار کرنے کی ضرورت پیش آئی، آپؓ نے حفصہؓ سے ان جمع کیے گئے ٹکڑوں کو منگوا کر ان سے قرآن کریم کے کئی نسخے تیار کروائے، جن کو مختلف علاقوں میں بھیجا اور ایک نسخہ اپنے پاس رکھا جو مصحف "امام" ہے۔۔۔ ہم نے اس معاملے کو کافی تفصیل سے واضح انداز میں بیان کیا ہے۔

2۔ جی ہاں دوسری مختلف روایات بھی ہیں کہ جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ نسخے ابو بکرؓ کے زمانے میں تیار کیے گئے، یہ نسخے ٹکڑوں میں صحابہ کے پاس تھے۔۔۔ یہ روایات بھی ہیں کہ یہ نسخے پورے قرآن کے نہیں اس کے ایک حصے کے تھے یہ ابو بکرؓ کے عہد میں۔۔۔ وغیرہ۔

3۔ مگر اس حال میں بخاری میں منقول روایات کو لیا جائے گا پھر دوسری روایات کو دیکھا جائے گا کہ اگر وہ بخاری میں لکھے ہوئے کے موافق ہوں، تو لیا جائے گا اگر مخالف ہوں تو نہیں۔

4۔ بخاری میں اس مسئلے کو پڑھنے کے بعد یہ واضح ہوتا ہے:

ا۔ صحیح بخاری میں آیا ہے:

4311۔ ابو الیمان نے بتایا کہ شعیب نے زُھری سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ ابنِ سباق نے بتایا کہ زید بن ثابت انصاریؓ جو کہ کاتبینِ وحی میں سے تھے، نے کہا: "اہلِ یمامہ کے قتل کے بعد ابو بکر نے مجھے بلایا اور عمر بھی آپ کے پاس تھے ابو بکرؓ نے کہا: عمر میرے پاس آئے اور کہا: یمامہ کے دن قتل نے لوگوں کا صفایا کر دیا، مجھے ڈر ہے کہ جنگوں میں قاریوں کا صفایا ہو جائے اور اگر جمع نہیں کیا تو قرآن کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے، میں قرآن کو جمع کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ابو بکرؓ نے کہا کہ: میں نے عمرؓ سے کہا: میں ایسا کام کیسے کروں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ہو؟ عمرؓ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ خیر ہے۔ عمرؓ اسی حوالے سے مسلسل مجھ سے بات کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے اس کے لیے میرا سینہ کھول دیا اور میں عمر کی رائے کی موافقت کی۔ زید بن ثابت نے کہا عمرؓ ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے مگر بول نہیں رہے تھے۔ تب ابو بکرؓ نے کہا: تم ایک عقلمند نوجوان آدمی ہو، تم وحی لکھتے تھے قرآن کو جمع کرو۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے کسی پہاڑ کو اٹھانے کا حکم دیتے تو یہ قرآن کو جمع کرنے کے بوجھ سے زیادہ مجھ پر بھاری نہ ہوتا۔ میں نے کہا: آپ ایسا کام کیسے کر سکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ہو؟ ابو بکرؓ نے کہا: اللہ کی قسم یہ خیر ہے۔ میں مسلسل ان سے بات کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ اس کام کے لیے کھول دیا جس کے

لیے ابو بکر اور عمر کا سینہ کھول دیا تھا، میں کمر بستہ ہو گیا اور قرآن کو ٹکڑوں، تختیوں، چمڑے کے ٹکڑوں اور آدمیوں کے سینوں سے اکھٹا کیا یہاں تک کہ سورہ توبہ کی دو آیتیں خزیمہ انصاری کے پاس سے پالیں، جو مجھے ان کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ملی، **لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ** دو آیتوں کے آخر تک۔ جن صحیفوں میں قرآن کو جمع کیا گیا تھا، ابو بکرؓ کی وفات تک آپ کے پاس تھے پھر عمرؓ کے پاس ان کی وفات تک تھے اس کے بعد حفصہ بنت عمر کے پاس۔۔۔" ختم شد

ب۔ صحیح بخاری میں یہ بھی ہے:

6654۔ ابو ثابت محمد بن عبید اللہ نے روایت کی ہے کہ ابراھیم بن سعید نے ابنِ شہاب سے، انہوں نے عبید بن سباق سے انہوں نے زید بن ثابتؓ سے نقل کیا ہے، انہوں نے کہا: ابو بکر نے اہلِ یمامہ کے قتل کے بعد مجھے بلایا، آپ کے پاس عمر بھی تھے، ابو بکرؓ نے کہا: عمر نے میرے پاس آکر کہا کہ یمامہ کے دن جنگ نے قرآن کے قاریوں کا صفایا کر دیا ہے، مجھے خدشہ ہے کہ ہر جنگ میں اس طرح قاری قتل ہوتے رہے تو قرآن کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا، میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو قرآن کو جمع کرنے کا حکم دینا چاہیے۔ میں نے کہا: میں ایسا کام کیسے کروں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ عمر نے کہا: اللہ کی قسم یہ خیر کا کام ہے۔ عمر اس حوالے سے مجھ سے مسلسل بات کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ اس کام کے لیے کھول دیا جس کے لیے عمر کا سینہ کھول دیا تھا، میں بھی یہی سمجھا جو عمر سمجھتا تھا۔ زیدؓ نے کہا کہ ابو بکرؓ نے کہا: آپ ایک عقلمند نوجوان ہو، آپ رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھتے تھے، قرآن کو ڈھونڈ کر جمع کرو۔ زید نے کہا: اللہ کی قسم اگر کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کا بوجھ مجھ پر ڈال دیا جاتا یہ قرآن کو جمع کرنے کے بوجھ سے زیادہ بھاری نہ ہوتا۔ میں نے کہا: آپ دونوں ایسا کام کیسے کر سکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ ابو بکرؓ نے کہا: اللہ کی قسم یہ خیر ہے۔ وہ مجھ سے مسلسل کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا، جس کام کے لیے ابو بکر اور عمر کا سینہ کھول دیا تھا۔ میں نے بھی اس بات کی حامی بھر لی، پھر میں نے قرآن کو تختیوں، ہڈیوں کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کیا یہاں تک کہ سورۃ التوبہ کے آخر کی یہ آیات **لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنفُسِكُمْ** تک خزیمہ یا ابو خزیمہ کے پاس پایا اور ان کو میں نے سورت سے ملایا۔ اور یہ صحیفے وفات تک ابو بکرؓ کے پاس تھے، آپ کی وفات کے بعد عمرؓ کے پاس ان کی وفات تک تھے پھر حفصہ بنت عمرؓ کے پاس۔۔۔ محمد بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ اللحاف سے مراد خزف (چمڑے کا ٹکڑا) ہے۔ ختم شد

ج۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بخاری کی روایات متعدد ہیں ان سب میں زید سے ابو بکر کا یہ قول مذکور ہے (ابو بکر نے کہا: آپ ایک نوجوان اور عقلمند آدمی ہو، رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھتے رہے، قرآن کو تلاش کر کے جمع کرو۔

د۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ابو بکرؓ نے زید سے مطالبہ کیا کہ وہ قرآن کو تلاش کر کے جمع کریں، لکھنے کا نہیں کہا، یعنی زیدؓ کا کام رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھے ہوئے صحائف کو، جو چمڑے کے ٹکڑوں، ہڈیوں اور تختیوں کی شکل میں تھے، کو جمع کرنا تھا، دوبارہ لکھنا نہیں۔۔۔

ھ۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ زید بن ثابتؓ کو جب سورۃ التوبہ کی آخری آیتیں لکھی ہوئی صرف خزیمہ انصاریؓ کے پاس ملیں اور آپ کے علاوہ کسی کے پاس لکھی ہوئی نہیں تھیں، تو زیدؓ ان کو ثابت کرنے کے لیے توقف اختیار کیا حالانکہ وہ ان کو تواتر سے یاد کیے ہوئے تھے، مگر یہ لازمی قرار دیا گیا تھا کہ اسی صحیفے کو لیا جائے گا جس کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھنے کی گواہی دو گواہ دیں اور خزیمہ کے پاس موجود اس صحیفے کا گواہ ایک یعنی خود خزیمہؓ تھے، دوسرے گواہ کی ضرورت تھی۔۔۔ زید نے اس آیت کو نہیں لکھا حالانکہ وہ اسے تواتر سے حفظ کیے ہوئے تھے۔۔۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آسانی کر دی کہ صحابہ نے گواہی دی کہ رسول اللہ ﷺ نے خزیمہؓ کی گواہی کو دو گواہیوں کے برابر قرار دیا ہے، اسی لیے اس صحیفے کو خزیمہؓ سے لیا کہ ان کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے۔

و۔ جہاں تک خزیمہ کی گواہی کے دو گواہوں کے برابر ہونے کی بات ہے تو احمد اپنے مُسنَد میں اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کی ہے اور یہ الفاظ احمد کے ہیں کہ: **(حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي عُمَارَةُ بْنُ خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيُّ، أَنَّ عَمَّهُ حَدَّثَهُ، وَهُوَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ابْتَاعَ فَرَساً مِنْ أَعْرَابِيٍّ فَاسْتَتْبَعَهُ النَّبِيُّ ﷺ لِيَقْضِيَهُ ثَمَنَ فَرَسِهِ، فَأَسْرَعَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَشْيَ وَأَبْطَأَ الْأَعْرَابِيُّ، فَطَفِقَ رِجَالٌ يَعْتَرِضُونَ الْأَعْرَابِيَّ فَيُسَاوِمُونَ بِالْفَرَسِ لَا يَشْعُرُونَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ابْتَاعَهُ، حَتَّى زَادَ بَعْضُهُمُ الْأَعْرَابِيَّ فِي السَّوْمِ عَلَى ثَمَنِ الْفَرَسِ الَّذِي ابْتَاعَهُ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ، فَنَادَى الْأَعْرَابِيُّ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: إِنْ كُنْتَ مُبْتَاعاً هَذَا الْفَرَسَ فَابْتَعْهُ وَإِلَّا بِعْتُهُ. فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ حِينَ سَمِعَ نِدَاءَ الْأَعْرَابِيِّ فَقَالَ: أَوَلَيْسَ قَدْ ابْتَعْتُهُ مِنْكَ؟ قَالَ الْأَعْرَابِيُّ: لَا وَاللَّهِ مَا بِعْتُكَ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: بَلَى قَدْ ابْتَعْتُهُ مِنْكَ. فَطَفِقَ النَّاسُ يَلُوذُونَ بِالنَّبِيِّ ﷺ وَالْأَعْرَابِيِّ وَهُمَا يَتَرَاجَعَانِ، فَطَفِقَ الْأَعْرَابِيُّ يَقُولُ: هَلُمَّ شَهِيداً يَشْهَدُ أَنِّي بَايَعْتُكَ، فَمَنْ جَاءَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ قَالَ لِلْأَعْرَابِيِّ: وَيْلَكَ النَّبِيُّ ﷺ لَمْ يَكُنْ لِيَقُولَ إِلَّا حَقّاً، حَتَّى جَاءَ خُزَيْمَةُ فَاسْتَمَعَ لِمُرَاجَعَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَمُرَاجَعَةِ الْأَعْرَابِيِّ، فَطَفِقَ الْأَعْرَابِيُّ يَقُولُ: هَلُمَّ**

شَهِيداً يَشْهَدُ أَنِّي بَايَعْتُكَ. قَالَ خُزَيْمَةُ: أَنَا أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَايَعْتَهُ، فَأَقْبَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى خُزَيْمَةَ فَقَالَ: بِمَ تَشْهَدُ؟ فَقَالَ: بِتَصْدِيقِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ شَهَادَةَ خُزَيْمَةَ شَهَادَةَ رَجُلَيْنِ "ابوالیمان نے روایت کیا کہ شعیب نے زُھری سے روایت کیا ہے کہ عمارہ بن خزیمہ انصاری نے روایت کیا ہے کہ اس کے چچا نے اس کو بتایا جو کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک دیہاتی سے گھوڑا خریدا، رسول اللہ ﷺ نے اسے گھوڑے کی قیمت ادا کرنے کے لیے بلایا نبی ﷺ جلدی چل رہے تھے اور دیہاتی آہستہ۔ لوگ دیہاتی کی طرف آرہے تھے اور اس کے ساتھ گھوڑے کا بھاؤ تاؤ کر رہے تھے کیونکہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ گھوڑا رسول اللہ ﷺ خرید چکے ہیں، یہاں تک کہ کسی نے دیہاتی کو اس سے زیادہ قیمت کی پیش کش کی جتنی قیمت میں رسول اللہ ﷺ نے خریدا تھا۔ اس دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر تم یہ گھوڑا لے رہو تو لے لو ورنہ میں یہ بیچ دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ دیہاتی کی آواز سن کر کھڑے ہوئے اور فرمایا: کیا یہ میں تم سے خرید نہیں چکا؟ دیہاتی نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! میں نے تمہیں نہیں بیچا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں میں یہ تم سے خرید چکا ہوں۔ لوگ دیہاتی اور رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے رہے۔ دیہاتی نے کہا: کوئی گواہ لے آؤ جو گواہی دے کہ میں یہ تمہیں بیچ چکا ہوں۔ کسی مسلمان نے دیہاتی سے کہا تیرا بیڑہ غرق ہو نبی ﷺ حق کے سوا کچھ نہیں کہتے۔ پھر خزیمہ آئے اور نبی ﷺ اور دیہاتی کے درمیان گفتگو سنی دیہاتی کہہ رہا تھا کہ گواہ لے آؤ کہ میں نے تمہیں بیچ دیا ہے۔ خزیمہؓ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے ان کو بیچا ہے۔ نبی ﷺ خزیمہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم کیسے گواہی دیتے ہو؟ انہوں نے کہا: کیونکہ ہم نے آپ کے سچا ہونے کی تصدیق کی ہے اے اللہ کے رسول ﷺ۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے خزیمہ کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔ اس کو حاکم نے بھی مستدرک علی صحیحین میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ: "۔۔ یہ صحیح الاسناد ہے، اس کے راویوں کے قابل اعتماد ہونے پر شیخین کا اتفاق ہے لیکن انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی"۔

ز۔ یہ سب یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ صحابی جس کے پاس وہ رِقہ ملا جس پر سورہ توبہ کی آیتیں لکھی ہوئی تھیں وہ خزیمہ ہیں، ابو خزیمہ نہیں جیسا کہ بعض روایات میں ہے کیونکہ اس آیت کے لیے شہادت میں ان کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر سمجھا گیا، یہ خزیمہ پر منطبق ہوتا ہے ابو خزیمہ پر نہیں۔۔۔ ایسا لگ رہا ہے کہ راوی خزیمہ اور ابو خزیمہ میں التباس کا شکار ہوئے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔۔۔ بہر حال یہ خزیمہ بن ثابت انصاریؓ تھے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔

ح۔یوں زیدؓ نے خزیمہؓ کے پاس جو لکھا ہوا ملا تھا، کو باقی قرآن میں جمع کرنے سے توقف کیا یہاں تک کہ یہ معلوم ہو گیا کہ خزیمہ کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث میں ہے جسے ہم نے اوپر بیان کیا، تب زید کا دل مطمئن ہوا اور انہوں نے اس رِقہ کو لیا اور دوسرے رِقعوں کے ساتھ جمع کیا جو لکھے ہوئے تھے۔

ط۔یہ سب اس بات کی تائید کرتا ہے کہ ابو بکرؓ نے قرآن کو جمع کرنے کے لیے زید بن ثابتؓ کو جو ذمہ داری دی تھی وہ قرآن کو لکھنا نہیں تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے قرآن کے لکھے ہوئے مختلف ٹکڑوں کو یکجا کرنا تھا اور ان ٹکڑوں کو اپنی اپنی سورتوں میں ترتیب سے رکھنا تھا، ہر ٹکڑے کے لیے کم از کم دو بندے گواہی دیتے تھے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھا گیا ہے سوائے سورہ توبہ کے آخر کے، جو صرف خزیمہؓ کے پاس موجود تھا اور یہ خزیمہؓ وہ ہیں جن کی گواہی کو رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا، اللہ نے سچ فرمایا ہے کہ **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ** "بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔

ی۔یوں وہ روایات جن کا آپ نے سوال میں ذکر کیا جو زید نے ابو بکر کے عہد میں کیا وہ قرآن کی آیات کے نسخے بنانا ہے ان کو اکھٹا کرنا نہیں جو کہ چمڑے کے ٹکڑوں، تختیوں اور ہڈیوں پر لکھی ہوئی تھی، یہ روایات بخاری میں مذکور صحیح روایات سے متصادم ہیں جن کو ہم نے اوپر بیان کیا ہے، لہذا اس پر وہی لاگو ہو گا جو ہم نے ذکر کیا، درایتاً ان الفاظ کو رد کیا جائے گا اگر سند صحیح ہو، اور اگر سند ضعیف ہو تو ضعف کی وجہ سے اس کو نہیں لیا جائے گا۔

6۔آخر میں آپ کے سوال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے شخصیہ الاسلامیہ جز اول اور قرآن کو جمع کرنے کے موضوع پر تیسر الوصول الی الاصول کو پڑھا ہے اس لیے قرآن کو جمع کرنے کے حوالے سے ان دونوں کتابوں میں جو آیا ہے وہ میں آپ کے لیے نہیں دہراؤں گا۔۔۔مگر شخصیہ میں سے اس جزو کو پیش کرتا ہوں:

"اس بنا پر قرآن کو جمع کرنے کے حوالے سے ابو بکر کا حکم اس کو ایک مصحف میں لکھنے کے لیے نہیں تھا بلکہ ان صحائف کو ایک جگہ جمع کرنے کے لیے تھا جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھے گئے تھے اس میں بھی تاکید کے لیے دو گواہ ہوتے تھے جو اس بات کی گواہی دیتے تھے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھے گئے ہیں، یہ لکھے ہوئے صحابہ کے پاس تھے اور ان کو حفظ بھی تھے۔ یہ صحیفے مرتے دم تک ابو بکرؓ کے پاس محفوظ رہے، پھر عمرؓ کے پاس تاحیات رہے، اس کے بعد عمرؓ کی وصیت کے مطابق ام المومنین حفصہ بنت عمرؓ کے پاس رہے۔۔۔لہذا عثمانؓ کا عمل قرآن کو جمع کرنا نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے

لکھے گئے کے نسخے تیار کرنا تھا۔ عثمان نے اس نسخے سے ان کے سات نقلیں تیار کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کیا جو ام المومنین حفصہؓ کے پاس تھا، لوگوں نے اسی خط پر اجماع کیا اور اس کے علاوہ کسی خط یا املاء سے منع کیا۔ پھر خط اور املاء دونوں لحاظ سے معاملہ اسی نسخے پر رک گیا، یہ وہی خط اور املاء ہے جس کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس وقت لکھا گیا جس وقت وحی کے ذریعے یہ نازل ہوا، یہ وہی نسخہ ہے جس ابو بکر نے جمع کیا جس کے بعد مسلمانوں نے اس کے نسخے بنائے اس کے علاوہ کوئی نسخہ نہیں، یہی اپنے رسم الخط میں مصحف عثمان ہے۔۔۔"

۔اور التیسیر سے مندرجہ ذیل حصہ پیش کرتا ہوں:

(اللہ عزوجل نے قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی جس پر کسی بھی طرف سے باطل حملہ آور نہیں ہو سکتا اس میں کوئی بھی کسی ایک حرف کو تبدیل نہیں کر سکتا ایسا کوشش کرنے والا لازما بے نقاب ہو گا، "بے شک ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں" (الحجر 9)، "اس کا جمع کرنا ہم پر ہی ہے" (القیامۃ 17)، "اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سارے اختلافات پاتے" (النساء 82)، "اس کے آگے یا پیچھے سے باطل اس میں داخل نہیں ہو سکتا یہ قابل تعریف حکمت والے کا نازل کیا ہوا ہے" (فصلت 42)

اللہ عزوجل نے قرآن کی حفاظت کی، اسے جمع کرنے کا بندوبست کیا، اس کو تبدیلی اور تحریف سے محفوظ کیا یہاں تک کہ یہ نقل متواتر سے ہم تک پہنچا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عین اسی کو نقل کیا جو وحی کے ذریعے نازل ہوا تھا، جس کو لکھنے کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا اور یہی قیامت کے دن اور جب تک اللہ چاہے گا محفوظ رہے گا۔

آپ کا بھائی عطاء بن خلیل ابو رَشتہ

30 ربیع الآخر 1442

بمطابق 15 دسمبر 2020

فہرست

پریس ریلیز: جنوری 2018ء کو نوید بٹ کو پیش کرنے کا حکم جاری ہوا تھا لیکن 11 مئی 2012ء کو جبری گمشدگی کے بعد سے اُن کا کوئی اَتہ پتہ معلوم نہیں

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

جب مغربی استعماری ادارہ ایف اے ٹی ایف اس بات کا حکم دیتا ہے کہ اُن لوگوں کو گرفتار کرو جو مقبوضہ کشمیر میں ہندو ریاست کی افواج کے خلاف لڑ رہے ہیں تو پی ٹی آئی حکومت مکمل بے رحمی اور موثر طریقے سے اس حکم پر عمل درآمد کرتی ہے۔ لیکن جب پاکستان کے قانونی ادارے اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ اُس مسلمان کی مصیبت دُور کرو جو نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کی پرامن سیاسی دعوت دیتا ہے تو یہی حکومت اس پر عمل درآمد کرنے میں پس و پیش سے کام لیتی ہے۔ 4 جنوری 2018 کو جبری گمشدگی کے حوالے سے قائم پاکستان کے تحقیقاتی کمیشن نے نوید بٹ کے متعلق ایک حکم نامہ، حوالہ نمبر ColoED ID No. 860-P، جاری کیا جس میں حکام کو انہیں پیش کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس حکم میں کہا گیا تھا کہ "اس کیس کی کارروائی کے دوران اکٹھے کیے گئے شواہد کی بنیاد پر، کمیشن کو شبہ ہے کہ لاپتہ فرد نوید بٹ۔۔۔ کو سیکرٹ (ای) اسٹیبلشمنٹ کے اہلکاروں نے اٹھایا تھا اور وہ ان کی غیر قانونی قید میں ہیں"۔ اس کے بعد انہیں پیش کرنے کے حکم نامے میں کہا گیا کہ، "کمیشن ہدایت دے رہا ہے کہ نوید بٹ کو۔۔۔ کمیشن کے سامنے پیش کیا جائے۔۔۔ پانچ ہفتوں کی مدت میں، اس میں ناکام رہنے کی صورت میں قانون کے مطابق کاروائی شروع کی جائے گی"۔ اور اب اس حکم نامے کو جاری ہوئے پانچ ہفتے نہیں بلکہ تین سال گزر چکے ہیں لیکن نوید بٹ کو نہ تو اس کمیشن کے سامنے اور نہ ہی کسی دوسری عدالت کے سامنے پیش کیا گیا ہے جبکہ یہ معاملہ اسلام آباد ہائی کورٹ کے سامنے بھی زیر التواء ہے۔ نوید بٹ کے گھر والوں کو جمعہ 11 مئی 2012ء کے دن سے آج کے دن تک ان کے زندہ ہونے یا ان کی شہادت کے حوالے سے کوئی تصدیق نہیں کی گئی۔

اس قسم کا بے رحمانہ اور سفاکانہ رویہ حکمرانوں کے اس جھوٹے دعویٰ کی کلی کھول دیتا ہے کہ وہ مدینہ کی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ حکومت خلافت کی دعوت کے علمبردار کو جبری گمشدگی کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے لیکن ہندو ریاست کے جاسوس کلبھوش یادیو اور اس کے جنگی جہاز کے پائلٹ ابھی نندن ورد ھمان کو ہر قسم کی سہولیات اور آرام و سکون فراہم کرتی ہے۔ باجوہ-عمران حکومت مسلسل اُن مسلمانوں کو کچلنے میں مصروف ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحی کی بنیاد پر حکمرانی کے

قیام کا مطالبہ کرتے ہیں جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ "محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں سخت ہیں اور آپس میں رحم دل"** (الفتح، 48:29)۔

اے پاکستان کے مسلمانو اور اس کے وکلاء، صحافیوں اور خصوصاً انسانی حقوق کے کارکنان! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَوْشَكَ أَن يَعُمَّهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ "لوگ جب ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں، اور اس کے ہاتھ نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ سب کو اپنے عذاب میں پکڑ لے"** (ابو داؤد، ترمذی، ابنِ ماجہ)۔ نوید بٹ کو مسلسل اغوا کیے رکھنا ایک کھلا ظلم اور جرم ہے جس کے بارے میں ہم خاموشی اختیار نہیں کر سکتے۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اس جرم کے خلاف ہر جگہ آواز بلند کریں اور نوید کی فوری بازیابی و رہائی کا مطالبہ کریں۔ تو تمام مسلمانوں کو، خصوصاً وہ جو صاحب اثر و رسوخ ہیں، چاہیے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے نوید بٹ اور کے گھر والوں کے خلاف اس جاری ظلم کے خاتمے کا مطالبہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ اَلدُّنْيَا، نَفَّسَ اَللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ اَلْقِيَامَةِ "جو شخص کسی مؤمن سے دنیاوی غم دور کرے گا، اللہ قیامت کے غموں میں سے ایک غم کو اُس سے دور کر دے گا"** (مسلم)۔

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کے ترجمان

فہرست

نُصرۃ

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امت کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امت مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالی نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے اِن کی حمایت و نصرت طلب کریں۔

پس آپ ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفۂ راشد کو قرآن وسنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی اس بشارت کے پورا کریں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»**" پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)